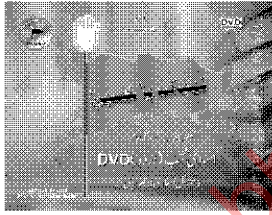


یادِ رسول اور غارِ ثور

مصنف عبد الکریم مشتاق

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Presented by: Rana Jabir Abbas



۷۸۶
۹۲۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
Version

لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabelesakina.page.tl

sabelesakina@gmail.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

<http://fb.com/ranajabirabbas>

NOT FOR COMMERCIAL

www.ziaraat.com

۳ جہاد باللہ والطف بالاد، جلد نمبر ۸-۷۱-۷۲

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار	صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	جہاد کا قول	۱۲	۶	ابتدائیہ	۱
	میں کرشم ایک ہی	۱۳	۱۰	مسئلہ تفضیل	۲
۱۶	مشعل کی			شاہ عبدالعزیز محدث	۳
	جہاد میں حیدر کرار	۱۴	۱۱	دہلوی کا اقرار	
۱۸	کی فضیلت			علامہ ابن عبدالبر	۴
۲۲	جہاد باللسان	۱۵	۱۲	کا اعتراف	
۲۲	شہادت رسول	۱۶		علامہ ابن حجر مکی	۵
	عبداللہ بن مسعود	۱۷	۱۲	کی رائے	
۲۳	کی گواہی		۱۳	ملا علی قاری کا بیان	۶
۲۳	حضرت عمر کا اعتراف	۱۸	۱۳	سفیان ثوری کا اظہار	۷
۲۳	جہاد بالتدبیر	۱۹	۱۳	اظہار عجب	۸
۲۵	جہاد بالبدن	۲۰		امام احمد بن حنبل	۹
۲۶	بارگاہ رسالت میں عرض	۲۱	۱۴	کا اعتراف	
۲۹	علوم عامہ	۲۲		جلال الدین سیوطی	۱۰
۳۰	علم ابو بکر	۲۳	۱۵	کا عقیدہ	
۳۲	علوم قرآنیہ	۲۴	۱۶	امام غزالی کا مسلک	۱۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۵	تقویٰ و اتباع شرعیات	۳۹	۲۶	زہد	۳۵
۲۶	صدقہ و انفاق	۳۷	۲۷	فی سبیل اللہ	۳۷
۲۸	حسن سیاست	۳۹	۲۸	واقعہ ہجرت مدینہ	۳۹
۲۹	ادبکاری شریف	۴۵	۳۰	ابن حجر عسقلانی	۴۵
۳۰	کی رائے	۵۶	۳۱	علامہ سیوطی کا بیان	۵۷
۳۱	حضرت عمر کی گواہی	۵۸	۳۲	تاریخ طبری	۵۸
۳۲	عقل ثبوت	۵۹	۳۳	اسناد روایت	۶۳
۳۳	خیانت	۶۳	۳۴	اوتھنیوں کا قصہ	۶۴
۳۴	پردہ چاک ہوتا ہے	۶۸			
۴۹	عامر بن نہیرہ کون تھے ؟	۴۹			
۷۲	ہجرت کے خاص واقعات	۷۲			
۷۳	اشعار مر تقویٰ	۷۳			
۷۷	سائب کا ڈسنا	۷۷			
۸۰	برائین صابریہ	۸۰			
۸۶	غبارِ نذر	۸۶			
۸۷	معجزہ اول	۸۷			
۸۷	معجزہ دوم	۸۷			
۹۰	مکنتہ	۹۰			
۹۰	خیمہ امِ معبد	۹۰			
۹۳	مکنتہ	۹۳			

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلَا تَتَذَكَّرُوْا فَقَدْ كَرِهَ اللّٰهُ اِذَا اُخْرِجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّا لَنُثَبِّتَنَّ اَنفُسَكُمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ اِذْ يَقُوْلُ لِمَا جِئْتُمْ بِكُمْ لَعَنَ اللّٰهُ مَعْنَاً فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سُلٰتِيْنَةً عَلَيْهِ وَاٰيٰتُهُ يَجْعَلُهَا كَمَا يَشَآءُ وَيَجْعَلُ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا السُّفٰلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ

اگر تم (اے مسلمانو!) اس رسول کی مدد نہ کرو (تو کچھ یہ رواہ نہیں) خدا مددگار ہے) اس نے تو اپنے (رسول) کی اس وقت مدد کی جب کفار (مکہ) نے (گھر سے) نکال باہر کیا۔ (اس وقت وہ صدمہ دلا آدمی تھے اور) اور دوسرے (رسول) تھے جب وہ دونوں (غار ثور) غار میں تھے جب وہ (رسول) اپنے ساتھی کو (اس کی گریہ زاری پر) سمجھا رہے تھے کہ خوفزدہ نہ ہو اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔ اور اللہ نے اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی (رسول پر) اور ایسے لشکر (غیبی) سے آپ کی مدد کی جن کو تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں اور خدا نے کافروں کی بات نیچی کر دکھائی اور خدا ہی کا بول بالا ہے۔ اور اللہ تو عزیز و حکیم ہے۔

(سورہ توبہ آیت ۲۵ پارہ ۵)

سرورِ دو عالم سید الباقین والانصار محسنِ عالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی نعمت اللہ نے اس وقت فرمائی جب وہ عالم غربت میں اپنے ساتھی کی ڈھارس باندھ رہے تھے!

ابتدائیہ

اللہ رحیم و رحمان ہی لائقِ حمدِ خاص اور مستحقِ ثناء و توصیف ہے کہ اُس نے انتظامِ کائنات کو اپنی قدرتِ خاص سے جاری کیا۔ تمام مخلوقات میں سے بنی آدم پر اپنے کرم کی خصوصی نوازش فرمائی۔ پھر نوعِ انسانی میں مدارج و مراتب کے لحاظ سے طبقات بنائے۔ ان میں بعض کو بعض پر اپنے لطفِ فضل سے فوقیت بخشی۔ اس افضل کردہ میں بھی خصوصیات کا لحاظ فرماتے ہوئے درجہ بندی کر دی اور اپنی مصلحت کے تحت قلت کو کثرت پر سبقت دی۔ اپنے لطفِ خاص سے جسے موزوں سمجھا افضل بنایا اور مفضول پر اس کی اطاعت واجب قرار دی۔ اس انتخاب میں نہ ہی اُسے کسی رائے شماری کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ ہی کسی شرابی مجلس یا اجماع کی احتیاج درپیش آئی۔ پس اپنے علم و حکمت کے تحت اس ذاتِ علیم و حکیم نے ہر عہدہ ہدایت پر اہل افراد کو مقرر کر کے مخلوق کو ہدایت پہنچانے کی ذمہ داری خود قبول کر لی۔ اور انسان کو باوجود بخشش کمالات اور عطائے قوت و ادراک کے یہ اختیار تفویض نہ فرمایا کہ وہ اپنی صوابدید سے اپنا مادی مقرر کر کے اس کی بیعتِ اطاعت منظور کرے۔ پس انسان کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ فلاحِ انسانیت کا متمنی ہے تو وہ خدا کے مقرر کردہ ہادی سے ہدایت حاصل کرے اور اپنے قیاسی عمل و دخل سے اجتناب کرے۔ کیونکہ تاریخِ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا میں پیدا شدہ اضطرابی کیفیت کی اولین بلکہ اکیلی وجہ محض یہی ہے کہ لوگوں نے اللہ کے مقرر کردہ ہادیوں سے تعلیم حاصل کرنے کی بجائے اپنے ذاتی و اختراعی نظریات پر مبنی و سہ کیا۔ اگر دنیا خدائی نمائندگان کی اتباع کرتی تو آج یہ حالت نہ

ہرگز تبدیل نہ ہوتی۔

چونکہ عام انسانی علوم ناقص ثابت ہوئے ہیں اور انسان ہر قسم پر وحی کا محتاج ہی پایا گیا ہے اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہرگز ممکن نہیں ہے کہ تمام مصنوعی افکار اور خود ساختہ نظریات سے لاقلمی اختیار کر کے اپنے خالق حقیقی کی جانب خلوص نیت سے رجوع کیا جائے اور اس کی نازل کردہ ہدایات کی روشنی میں اپنے تمام مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ جب ہم اس حقیقت کے سامنے سر جھکائیں گے تو ہمارا سر دیگر اقوام کے مقابلے میں اس قدر بلند ہوگا کہ پھر کبھی نیچا نہ ہو سکے گا۔

یہ بات ہر زبان پر ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے۔ لیکن یہ بات خلق سے نیچے نہیں جاتی ہے کیونکہ عملاً اس کا کوئی معتبر ثبوت پیش نہیں کیا گیا جس سے باطنی اذیان کی تشفی ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر میں لوگ لفظ "مساوات" میں بہت دلکشی پاتے ہیں۔ اور دنیا کا زیادہ جھکاؤ اسی طرف ہے کہ سب لوگ برابر ہیں۔ حتیٰ کہ اہل اسلام نے بھی عجیب و غریب کھٹکے ٹیکے دیئے ہیں اور کہنا شروع کر دیا ہے کہ اسلام بھی مساوات کا درس دیتا ہے بلکہ اب تو ایک نئی اصطلاح نے بھی جنم لیا ہے کہ "اسلامی مساوات"۔

اس میں شک نہیں کہ مفرعومہ "مساوات" اور "اسلام" کا آپس میں قطعی کوئی رشتہ نہیں ہے کیونکہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ مذہبِ عقل و دانش ہے۔ اس کی تعلیمات کا انحصار "عدل" پر ہے۔ وہ قدم قدم پر غیر عادلانہ مساوات کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلام ہرگز یکسانیت کو برداشت نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیم بات بات پر امتیاز کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ دینِ الہی ہے۔ اس میں قطعی طور پر یہ گنجائش موجود نہیں ہے کہ نیک اور بد کو برابر قرار دے "معتق و بدکار"

کو ایک ہی مرتبہ دے۔ "بزرگ و عزیز" میں فرق روا نہ رکھے۔ زیادہ سے زیادہ اگر اسلامی نظام میں مساوات سے مشابہ کوئی امر دکھائی دیتا ہے تو وہ یہ کہ اس کے قوانین کا اطلاق سب کے لئے یکساں ہے۔ اس کے فوائد میں پورا معاشرہ برابر کا شریک ہے۔ اسلام نہ ہی ایسی آزادی کو پسند کرتا ہے جس کے معنی بے لگام ہونا ہے اور نہ ہی ایسی مساوات چاہتا ہے جس میں افضل و مفضول برابر ہو جائیں۔ اسلام کی اساس محض "عدل" پر ہے کہ وہ کسی بھی پہلو سے ظلم برداشت نہیں کرتا ہے۔ میرا مضمون سخن عدل و مساوات نہیں ہے بلکہ مجھے واقعہ ہجرت کے ایک نظر پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ یہ ابتدائی معروضات اس لئے پیش خدمت کئے ہیں کہ اسلام نے مسئلہ تفضیل پر کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے اور اس مسئلہ پر مسلمانوں میں صدیوں سے طبع آزمائیاں جاری ہیں۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ افضلیت منجانب خدا حاصل ہوتی ہے جیسے انبیاء کو قدرتی فضیلت ہے کہ وہ اپنی امت سے افضل ہیں۔ اسی طرح حضورؐ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؐ تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں۔ اور آپؐ کے خلفائے برحق بھی بعد از رسول اکرمؐ تمام مخلوقات میں افضل ہیں۔ عالم اسلام میں حضورؐ کی فضیلت مسلمہ ہے۔ مگر آپؐ کے بعد مسئلہ تفضیل میں امت کے اختلاف ہے۔ بعض لوگ بعد از رسولؐ حضرت ابوبکرؓ کے افضل ہونے کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام۔

وہ جماعت جو حضرت ابوبکرؓ کے افضل ہونے کی معتقد ہے وہ ان کی افضلیت کی بحث میں واقعہ ہجرت میں آپؐ کی رفاقت کو افضلیت کی ایک دلیل پیش کرتی ہے۔ کتاب ہذا میں اسی دلیل پر مختلف گوشوں سے بحث کر کے فریقین کے موقف کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ

کی یہ رفاقت افضلیت کے لئے دلیل قرار نہیں پاسکتی ہے۔
 اصل مضمون سے پہلے ہم نے تمہیداً مسئلہ تفصیل پر مختصراً مگر جامع
 روشنی ڈالی ہے اور ثبات کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ہر گوشہ فضیلت کے
 اعتبار سے بعد از اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات سے
 افضل ہیں۔ اور آپ کی افضلیت سے انکار کرنا دانش مندی کے خلاف
 ہے۔ چنانچہ سرکار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگاہ فرما چکے ہیں کہ

”علیٰ کو نہیں پہچانا مگر خدا نے اور میں (محمّد) نے“
 پس یہ قول رسول فیصلہ کن ہے کہ خود حضرت ابوبکر کو بھی حضرت
 علی کی حقیقی معرفت ہرگز نہ تھی۔ لہذا وہ افضل کس طرح قرار پاسکتے ہیں؟

عبدالکریم مشتاق

مسئلہ تفضیل

کسی شخص کی افضلیت کے تعین کے لئے علماء نے دو طریقے بتائے ہیں
 اول خدا و رسول خدا کی طرف سے نص ہوا اور دوم اس شخص کے اعمال و
 خدمات کا جائزہ لینا جس کے بنا پر وہ افضل قرار پاتا ہے چنانچہ سنی علامہ
 مفتی محمد غلام سرور قادری صاحب نے اپنی کتاب "افضلیت سیدنا صدیق اکبر
 رضی اللہ عنہ" میں افضلیت کی بنیاد سات اعمال پر منحصر بتائی ہے۔ موصوف
 تحریر کرتے ہیں کہ:

"محققین اسلام و مفکرین شریعت نے افضلیت کی بنیاد سات عملوں
 پر رکھی ہے۔ جہاد، علوم عامہ، علوم قرآنیہ، تقویٰ و اتباع شریعت۔
 نہاد، صدقہ و انفاق فی سبیل اللہ، حسن سیاست۔ افضل ہونے کے
 لئے ضروری ہے کہ ان تمام امور میں سب سے بڑھ کر سچ۔"

(صفحہ ۵۵ کتاب مذکورہ)

اہل سنت و الجماعت علامہ صاحب کے بیان کردہ ان اعمال کے
 تحت اگر حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو جناب
 امیر علیہ السلام ان تمام امور میں حضرت ابو بکرؓ سے بہت زیادہ بڑھے ہوئے
 ثابت ہوتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ معقول نظر نہیں آتی کہ آپ کی افضلیت سے
 انکار کر کے حق سے حشیم پوشی کی جائے۔ چنانچہ ہم ہر امر میں ایک سطحی موازنہ
 پیش خدمت کر کے قارئین کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں کہ وہ اپنا دانشمندانہ
 اور محققانہ فیصلہ اخذ فرما سکیں۔

ہمارے نزدیک حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت محض ظنی ہے لہٰذا ہم یہ نہیں
 اور ظاہر ہے یقین بجائے خود ظن سے افضل و بالا ہے۔ یہ مقدمہ افضلیت یہ
 ہے کہ فضیلت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص کو باعتبار کسی خاص صفت یا وجہ

مختلف صفات مختلفہ کے ترجیح دینا۔ اور افضل کُل وہ ہے جو ہر طرح کی فضیلت و اوصاف حمیدہ کا جامع ہو۔ اور جزوی فضیلت وہ ہے جو اپنے مقابل ہم رتبہ سے کسی خاص صفت میں ممتاز ہو۔ شخص فاضل کا رتبہ دنیا و آخرت میں مفضول کے درجہ سے بلند ہوتا ہے۔ اور فاضل کی تعظیم و تکریم مفضول پر واجب ہوتی ہے۔ افضلیت یا تو خدا داد ہوتی ہے یا انسان اپنے کسب کمال سے حاصل کرتا ہے۔ حیسمانی یا روحانی طور پر ریاض کر کے خاص درجہ حاصل کرتا ہے۔ جب ہم فضیلت کے تمام گوشوں پر نظر اٹھاتے ہیں تو ہر راہ پر حضرت علی علیہ السلام کے ثبت کردہ قدموں کے نشانات بہت نمایاں دیکھتے ہیں۔

حضرت علی اور حضرت ابو بکر کی افضلیت کا اختلاف شروع ہی سے چلا آ رہا ہے اور مسلمان کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ سنی امام حضرت ابو حنیفہ سے پہلے علماء کی اکثریت حضرت علیؑ کو افضل تسلیم کرتی تھی مگر جابرانہ سلطنت کے رعب میں اگر ابو حنیفہ نے یہ ایک نیا عقیدہ گھڑا کہ افضل الناس بعد النبی ابو بکرؓ ثم عثمانؓ ثم علیؓ (فقہ اکبر) جس کی تقلید میں فرقہ سنیہ پابند ہوئے۔ مگر پھر بھی سنی علماء کی کثیر تعداد نے اس تقلید کو نظر انداز کرتے ہوئے افضلیت علی المرتضیٰ کی تائید کی اور فضیلت شیخین کی نفی کی مثلاً

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا اقرار

”کہ تفصیل شیخین بر حضرت علی مرتضیٰ رضی

اللہ علیہم اجمعین من کل الوجوہ نیست بلکہ علماء محققین نوشتہ اند کہ تفصیل احد الشیخین علی الآخر من جمیع الوجوہ محال ہے تفصیل حضرت مرتضیٰ علی درجہ اولیٰ و سانی و فن قضا و کثرت روایت و ہاشمیہ و حیثیت لاشیمازو زوجیت حضرت بتول زہرا بر حضرت صدیق اکبر قطعی است۔ و همچنین تفصیل آنجناب در قدم اسلام و اول من صلتے بودن بر حضرت فاروق نیز قطعی است ہے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۸۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

یعنی حضرات ابوبکر و عمر کی فضیلت جناب امیر علیہ السلام پر ہر پہلو پر طرح سے نہیں ہے بلکہ یہ علماء کے مطابق امر محال ہے کہ شیخین کو حضرت امیرؓ پر من کل الوجوه افضل مانا جائے کیونکہ معاملہ جہاد تیغ و سناں اور فتنہ قضا یا اور کثرت روایات در شان امیر اور زوجیت فاطمہؓ ہر اور غیرہ ایسے امور میں جن کے باعث ان کی فضیلت حضرت ابوبکرؓ پر قطعی طور پر ہے اور اور آپ کی اسلام لانے میں سبقت اور نماز پڑھنے میں اولیت حضرت عمرؓ پر حضرت علیؓ کو قطعی طور پر افضل قرار دیتی ہیں۔

شاہ صاحب اسی جگہ پر آگے فرماتے ہیں اس قسم کی تفصیلی امامت حضرت علیؓ کے لئے علمائے اہل سنت اور صوفیاء کے نزدیک جائز ہے۔ جیسا کہ محدث عبدالرزاق، سلیمان ناسی، حسان بن ثابت اور بعض دیگر صحابہ کا مذہب یہی تھا۔

علامہ ابن عبد البر کا اعتراف | مسمی علامہ ابن عبد البر تحریر فرماتے ہیں کہ سلف الصالحین کا

افضالیت حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ میں اختلاف ہے۔ حضرات سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، جناب، حذیفہ یمانی، ابو سعید خدری، زید بن ارقم کا اعتقاد تھا کہ حضرت علیؓ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان سے افضل تھے اور ان سے پہلے اسلام لائے تھے۔

(استیعاب فی معرفۃ الاصحاب)

علامہ ابن حجر مکی کی رائے | موید و قوی قول علامہ ابن عبد البر کا استیعاب میں یہ ہے کہ انہوں

نے عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے خبر دی ہے کہ زمانہ اصحاب میں اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے افضل تھے۔ تو وہ اس کی ملامت کرتے اور اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ علیؓ ابوبکرؓ سے افضل ہیں تو اس

کی ملامت نہ کرتے۔ اسی طرح ابن حجر لکھتے ہیں کہ خطابی نے بعض مشائخ سے خود روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ابو بکر خیر پر ہیں اور علی افضل ہیں۔
(صواعق محرقة فارسی مطبوعہ لاہور ص ۱۱۸)

علامہ ابن حجر مزید لکھتے ہیں کہ پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سلمان، ابوذر، مقداد، حباب، جابر، ابو سعید خدری، زید بن ارقم سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے اور اس جماعت مومنین مذکورہ نے کسی غیر کو حضرت علیؑ پر فضیلت نہ دی۔

(صواعق محرقة فارسی مطبوعہ لاہور ص ۱۱۹)

ہمارے بعض مشائخ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اچھے ہیں اور حضرت علیؑ افضل ہیں۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری حنفی مطبوعہ ہند پر لس لاہور ص ۱۱۸)

سفیان ثوری کا اظہار
ابونعیم کی اسناد سے مروی روایت از زید بن حسان کی بناء پر سفیان ثوری حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ پر فضیلت دیتے تھے۔

(صواعق محرقة فارسی مطبوعہ لاہور ص ۱۱۸)

اظہارِ عجز
شرح عقائد نسفی مطبوعہ نسفی لکھنؤ ص ۱۸ پر اہل سنت نے اپنے عجز کا اظہار بایں الفاظ کیا ہے کہ،

”جناب علی المرتضیٰ اللہ کے بندے اور مخلص اصحاب رسول اللہ صلی علیہ وسلم تھے سلف میں یہی فرمان ہے۔ طرفین کے دلائل متعارض ہیں۔ اس مسئلہ افضلیت میں کوئی رائے نہیں قائم ہو سکتی اور اعمال سے تعلق نہیں۔ لیکن سلف حضرت عثمان پر حضرت علیؑ کو فضیلت دیتے تھے۔“
اسی صفحہ کے حاشیہ پر ہے کہ اکثر اہل سنت کا قول ہے کہ حضرت علیؑ حضرت عثمان سے افضل ہیں اور بعض متاخرین نے توقف کیا ہے۔

۱۴

افضلیت شیخین میں آج تک اجماع امت کوئی آیت کوئی حدیث صحیحہ پیش نہ کر سکا اور افضل الناس بعد انبی البوکریں عمر غم عثمان کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نہ دے سکا۔ علماء اہل سنت کے اقوال مختلف ہیں۔ بلکہ ہر ایک محقق اور مصنف مزاج مسلمان آیات بینات اور احادیث سرور کائنات کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ افضل الناس بعد انبی حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔ کہ جناب امیر کی شان قرابت، زہد و عبادت، سخاوت، شجاعت، جہاد فی سبیل اللہ، علمی فضیلت اسلامی خدمات کا کوئی لشر مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شارح عقائد نسفی نے حاشیہ ص ۱۸ پر مجبور ہو کر اعتراف کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت حضرت البوکریں پر لازم ہے کیونکہ آپ کے کمالات و اختصاص کرامات قواۃ سے ثابت ہے۔

حضرات اہل سنت کے پاس حضرت البوکریں کی افضلیت کے حق میں صرف ایک ہی دلیل ہے اور وہ اجماع ہے۔ لیکن افسوس ہے سنی علماء نے اس اجماع کو قطعی قبول نہیں کیا بلکہ ظنی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں :-

”اور اکثر اہل سنت نے کہا ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر افضل ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان یا حضرت علی یا حضرت عثمان اور اس عقیدہ پر شارح علیہ السلام سے کوئی قطعی دلیل نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی قطعی اجماع ہے بلکہ اجماع ظنی ہے“ (ہدیۃ المہدی جلد ۱ ص ۱۹ مطبوعہ میو رپریس دہلی، شرح مواقف ص ۱۷)

”احادیث سے جتنی فضیلت حضرت علی کی ثابت ہوتی ہے کسی صحابی کی نہیں ہوتی“

امام احمد حنبل کا اعتراف

(تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطی مطبوعہ زمیندار پریس لاہور ص ۱۷)

امام مہکم نیشاپوری نے امام احمد حنبل سے نقل کیا ہے کہ حضور کے اصحاب میں کسی کے لئے اس قدر فضائل وارد نہیں ہوئے جس قدر حضرت علی کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ اسمعیل بن اسحاق القاضی ابو علی نیشاپوری اور امام احمد بن شعیبہ انسائی کا قول ہے کہ صحابہ میں سے کسی کی شان میں جناب علیؑ کی شان سے زیادہ احادیث جمید اسانید کے ساتھ روایت نہیں ہوئیں۔ (ارجح المطالب)

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی میں باہم ایک دوسرے پر من جمیع الوجوہ فضیلت دینے میں کوئی نص قطعی وارد نہیں ہے۔ اور فیہ نص قطعی کے افضلیت من جمیع الوجوہ جو ایک اعتقادی بات ہے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ایسی افضلیت پر اجماع کے منقذ ہونے میں کلام ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ابوبکر کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ لیکن خلافت ایسی مستلزم نہیں ہے اور ہمارے مشائخ میں سے شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں بہت زور سے شیخین کی افضلیت تمام صحابہ پر ثابت کی۔ مگر سب اشارات و کنایات سے جو اعتقادات میں حجت نہیں ہو سکتیں۔ اور احادیث اور آیات کے اشارات متعارف ہیں مثلاً حدیث یا علی انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ اور انما ولیکم اللہ سے حضرت علیؑ کی تفضیل سب پر نکلتی ہے۔

(تیسرا تقاضا یہ ہے کہ ترجمہ صحیح بخاری ص ۱۶۱ ص ۱۶۲)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ "حضرت

جلال الدین سیوطی کا عقیدہ

عبد اللہ بن عباسؓ اور ابن ربیعہ جتے ہیں کہ حضرت علیؑ میں علم کی پوری پختگی اور مضبوطی تھی اور تمام عشرہ مبشرہ (حضرات ثلاثہ ان میں شامل ہیں) پر آپ کو قدامت اسلام، دامادی رسول صلعم فقر و صفت و جرات و سخاوت کی وجہ سے فضیلت ہے۔

تاریخ الملئنا علامہ جلال الدین سیوطی ص ۹۲ عربی مطبوعہ مصر

حجتہ الاسلام امام اہل سنت ابو حامد غزالی
اپنے رسالہ الغزالی میں علم لدنی کے ذیل میں

امام غزالی کا مسلک

تقریر کرتے ہیں کہ،

”علم لدنی نبیوں کے واسطے ہے۔ اور ولایت حضرت رخصت اور حضرت علی علیہ السلام کو حاصل ہے۔“

مجاہد کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا سبحان اللہ جناب امیرؓ کے فضائل کتنے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تین ہزار ہوں گے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا تین ہزار کیا تین ہزار ہوں گے۔ پھر ابن عباسؓ کہنے لگے۔ اگر دنیا کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی ہو جائیں اور انسان لکھنے والے اور جن حساب کرنے والے ہوں تو بھی جناب علی علیہ السلام کے فضائل کو شمار نہ کر سکیں۔ (تذکرہ خواص الامتہ عربی علامہ صبط ابن جوزی ص ۷۷ عربی)

ہیں کر نہیں ایک ہی مشعل کی ابو بکر و عمر و عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یا ران بنی محمد فرق نہیں ان چاروں میں

پچھ عرصہ قبل مسئلہ تفضیل سے تنگ آ کر جمہور اہل سنت والجماعت نے اپنے امام عظم حضرت نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کے مذہب کے خلاف ایک نیا عقیدہ وضع کیا اور اس کا پرچار خوب زور و شور سے کیا کہ چاروں یا اگر تیرہ اور برابر ہیں۔ ان میں کچھ فرق نہیں۔ یہ ترانے بڑی عمدہ موسیقی اور مسحور کن دھنوں کے ساتھ اکثر بجائے جاتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ عقل و نقل سے قطعی غلط اور باطل ہے کیونکہ اس مادی دنیا میں کوئی موجود شے مساوات کا درجہ نہیں رکھتی۔ بنی نوع انسان، حیوانات، نباتات، جمادات، بحر و بر، اجرام فلکی، ہر چیز میں فرق ہے۔

فرشتوں میں امین وحی حضرت جبریل علیہ السلام، انبیاء و مرسلین میں سیدنا و
 نبینا و شفیعنا مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو انان بہشت میں
 حضرات حسنین الشریفین امامین الشہیدین تمام دنیا و جہان کے اولین و آخرین۔
 مستورات میں سیدہ صدیقہ الکبریٰ فاطمہ زہراء حیوانات میں نازقہ حضرت صالح
 بیکر لویل میں ذنیہ فدیہ حضرت اسمعیلؑ شہروں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ۔
 مہاجرین میں مسجد الحرام، بیتھروں میں حجر اسود، مہینوں میں ماہ رمضان، یام نفعہ میں
 روز جمعہ، عید غدیر، روز عاشورہ، راتوں میں لیلۃ القدر، شب معراج و شب
 برات، پھولوں میں گل گلاب، جمادات میں سونا اور اجرام فلکی میں شمس کو
 فضیلت ہے۔

جاہل اور عالم، مردہ و زندہ، پاک و پلید، منافق و مؤمن، اندھا و بینا،
 نابور و ذلیل و شریف، کمزور و توانا، سیاہ و سفید، غریب و امیر، پاگل و عاقل،
 مشرک و مسلم، بھگوار اور جوار، عورت و مرد، دوزخ و بہشت، رنج و
 راحت، فقر و غنا، فاسق و زاہد، ناجر و عاید، بے وفا و جانثار، غلام و فادار،
 مظلوم و ظالم کسی بھی حالت میں ہم مرتبہ اور برابر نہیں ہو سکتے۔ کائنات میں
 کوئی مادی شے ایک دوسرے کے برابر نہیں۔ ضرور کچھ نہ کچھ فرق ہے۔

انسانی بود و باش، تمدن و معاشرت، بولی چال، رفتار و گفتار، خوراک و
 پوشاک، توہمات و خیالات، رنگ و روپ ایک دوسرے سے نہیں ملتے ہیں نہ راز و
 کوس کا فرق ہے۔ اہل یورپ، اہلیان افریقہ، عربی و عجمی، رومی و شامی، ہندی و
 تاتاری، چینی و جاپانی وغیرہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف و متضاد طبع ہیں جب
 تمام کارخانہ بہشت و بود و کایہ حال ہے کہ قدم قدم پر فرق ہے تو تمام احباب الہی کس
 طرح ہم رتبہ ہو سکتے ہیں جبکہ خود انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں تفویض فیضیت ہے
 قول خدا ہے **تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ** دیکھئے۔ اور پھر حیار
 یاروں کی برابری کے عقیدے کا موازنہ قرآن سے کرو خود ہی معلوم ہو گا کہ یہ انتہائی

۱۸

جہاد اور کورانہ عقیدہ ہے ہر ایک شخص کے مراتب میں فرق ہے۔ سب برابر مملکت، وزراء و عمال، آفیسرز، کلرک، سپاہی مجریں وغیرہ وغیرہ سب کے اپنے اپنے درجات و مراتب ہیں۔ کوئی کسی کے برابر نہیں۔ اگر دنیا میں سب کو مساوات کا درجہ مل جاتا تو انتظام تمدن و معاشرت کا قائم رہنا امر محال ہوتا۔

اس تہیدی گفتگو کے بعد ہم واپس مولوی مفتی علامہ غلام سرور قادری صاحب کے بیان کردہ سات اعمال کی طرف آتے ہیں اور مختصر ا تقابلی جائزہ پیش کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام بعد از ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات سے من کل الوجہ بڑھے ہوئے ہیں اس لئے وہ حضرت ابوبکر سے ہر لحاظ سے افضل ہیں اور اس سے انکار کرنا صرف تعصب یا غیر معقول و اندھی عقیدت کا نتیجہ ہے۔ یہ عقیدہ نہ ہی عقلاً قابل قبول ہے اور نہ ہی نقل اس کی تائید کرتی ہے بلکہ غلطی کا وجود قطعی نہیں محض ظنی ہے۔

جہاد میں حیدر کرار کی افضلیت

جہاد یقیناً و قطعاً معیار افضلیت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے مجاہدین کا درجہ اپنے فضل سے بلند فرمایا ہے۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم سے فضیلت دی ہے اس کی طرف سے درجات اور مغفرت اور رحمت ہے ان مجاہدوں کے لئے اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ (سورہ نساء ۹۵)

اس کلام ربانی کے مفہوم سے صاف ظاہر ہے مجاہد کو غیر مجاہد پر فضیلت ہے اور حسن مجاہد کا جہاد جس درجہ کمال پر ہو گا اسی نسبت و لحاظ سے وہ فضل کا مستحق قرار پائے گا۔ گو کہ اصطلاح اسلام میں جہاد کے معنی عام یہ ہیں کہ کفار و مشرکین و مخالفین دین کے خلاف ثابت قدمی سے جنگ کرنا لیکن جہاد کو بھی علماء نے تین قسموں

میں تقسیم کیا ہے۔ چنانچہ مفتی سرور صاحب لکھتے ہیں کہ:

”ہم کہتے ہیں جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ اول: جہاد باللسان یعنی جہاد زبانی کہ اسلام کا پیغام پہنچانا۔ شریعت کے احکام سمجھانا اور غلط فہمیت کرنا۔ ترغیب و ترہیب اور حقانیت اسلام و صداقت مسلمان پر دلائل قائم کر کے مخالفین کے شکوک و شبہات کو رفع کرنا۔ دوسرا: وہ جہاد جو جنگ کے وقت ہوتا ہے مثلاً عمدہ تدابیر سوچنا اور اچھے رائے قائم کرنا۔ مخالف کے دلوں میں رعب ڈالنا علی طور پر جنگ میں حصہ لینے کے لئے مجاہدین تیار کرنا اور اپنی فوج کو بڑھانا اور مال و دولت خرچ کر کے آلات جہاد فراہم کرنا اور فوج کے لئے مناسب سوار یوں کا بندوبست کرنا اور طرح طرح کے منصوبوں سے مخالفین اسلام کی جمعیت کو منتشر کر کے ان کی اجتماعی قوت کو کمزور کرنا۔ تیسرا: جہاد بالید۔ اور تلوار و بندوق ہاتھ میں لے کر میدان کارزار میں پہنچنا اور دست بردست ملنا۔“

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاد کی یہ تیسری قسم پہلی دو قسموں سے کم تر مرتبہ رکھتی ہے اور پہلی دو قسموں کے مقابلہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ آنحضرتؐ کو بھی جہاد کرنے کا حکم تھا۔ یعنی اے نبیؐ محترم، کافروں اور منافقوں سے جہاد فرمائیے اور ان پر سختی کیجئے۔ اور دوسری جگہ آپؐ کو حکم ہوتا ہے یعنی اے نبیؐ محترم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑئیے۔

اور خوب روشن ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باوجود جہاد کی تیسری قسم سے یہ نفس نفیس مصروف نہیں ہوتے البتہ پہلی دونوں قسم کے جہادوں میں یہ نفس نفیس شامل و شاغل رہے۔ لہذا ہر صورت جہاد کے وہی دونوں قسم افضل و اعلیٰ ٹھہرے۔

اب انصاف سے دیکھا جائے تو حضرات شیخین جہاد کے ان دونوں قسموں میں تمام محاربے پیش و پیش رہے کیونکہ ابوبکر صدیقؓ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے سب سے پہلے امتی میں جنہوں نے اپنی دعوت پر سب سے پیشتر تبلیغ اسلام کا آغاز فرمایا۔ انہی کی تبلیغ سے اکابر و عمدہ صحابہ نے اسلام قبول کیا۔ آپ ہمیشہ اسی تبلیغ میں مصروف رہے اور اس سلسلہ میں زبردست مصائب برداشت کئے بلکہ آخر تک کی مدافعت کرتے ہوئے قریش کے بے حد تشدد کا بار بار نشانہ بنے اور یہ بیان ہوتا ہے:

(۱) فضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ص ۵۵-۵۶

مفتی صاحب کا یہ بیان از خود اُن کے عجز کا اعتراف ہے کہ حضرت ابوبکر کو جہاد بالسیف میں کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو جہاد کی تہذیبہ ناویلات وضع فرمانے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ وہ اپنے ممدوح کے ناقص جہاد کی مدافعت کر سکیں۔ مفتی صاحب کی ساری محنت کو ہم ایک سوال میں بیکار ثابت کرتے ہیں کہ مذہب اہل سنت میں "جہاد" ایک رکن اسلام ہے۔ اس کی تعریف میں علمائے لکھا ہے "جہاد دہر یا لغیر دیر فرض ہے جو استطاعت رکھے۔ عہد توں ضدیفوں، بیاروں اور مفذوران شرعی سے یہ فریضہ ساقط ہے۔ اگر حقیقی طور پر ہم جہاد کے بیان کردہ تین اقسام کو صحیح مانتے ہیں تو پھر اس تشریح اور توضیح کی وضاحت فرمائیں۔ جہاد باللسان اور جہاد بالتدبیر میں بظاہر کسی استثناء کا جواز معلوم نہیں ہوتا ہے۔

پھر یہ بات عقلاً انتہائی لغو قرار پاتی ہے کہ ایک شخص میدان کارزار میں اپنی جان نثار کرتا ہے۔ پتھیاروں سے اذیت اٹھاتا ہے۔ زخموں کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ جان پھیلی پر لکھ کر میدان میں ثابت قدمی سے جہاد کرتا ہے۔ تو اس کی اس عظیم سرفروشی کو نظر انداز کر کے ایک ایسے شخص کو فضیلت دی جائے تو محض زبان تو حیلاتا ہے مگر میدان میں آنے سے گریز کرتا ہے۔ دلی کارارستہ تو بتاتا ہے مگر راستے کا خرچہ پتے نہیں بات دھنسا ہے۔ لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیل دینے کا مشورہ دیتا ہے مگر خود اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے۔ اب چونکہ یہ نظر پر سخت سنگینی پر انحصار کرتا ہے اس لئے اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجاہد کی موت ہی کو شہادت کی زندگی کا انعام حاصل ہے اور سپاہی مجاہد ہی کو غازی کہا جاتا ہے۔ پس جہاد کی یہ اقسام مجازاً اور ضمنناً تو زیرِ غور رکھی جاسکتی ہیں مگر حقیقی اعتبار سے نہیں۔ کیونکہ اکثر مقامات پر ”جہاد“ کے جہاد اور مالوں کے جہاد کا ذکر کیا گیا ہے مگر باتوں کے جہاد پر تاکید مفقود ہے۔ مقلدے کی آیات قرآن میں وارد ہیں اور یہ لفظ جہاد اپنے لغوی معنی تبدیل کر کے مسلمانوں میں اس منہوم سے اس قدر معروف ہو چکا ہے کہ جب کبھی ”جہاد“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے فوراً توجہ اور ذہن میں جہاد البلیغ کا تصور آ جاتا ہے۔ مفتی صاحب نے جو آیت سورہ نساء سے اوپر نقل کی ہے اس میں بھی اللہ نے ہی فرمایا ہے کہ اُن مجاہدین کے درجات بلند ہیں جنہوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا نہ کہ بیٹھ رہنے والوں کے۔ پس اُن کی بیان کردہ اقسام کی بحث کو ہم ان کی نقل کردہ قرآنی آیت ہی سے رد کرتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے جانوں اور مالوں سے جہاد کیا وہ ان لوگوں سے افضل و بلند ہیں جو بیٹھے رہے۔ باتیں کرتے رہے تم بیویں بنا تے رہے مگر عملی طور پر میدان میں آنے سے کتراتے رہے۔

خجے افسوس ہے کہ مفتی صاحب اپنے ممدوح کی افضلیت بیانی کے نشہ میں اس قدر مدہوش ہیں کہ انہوں نے معاذ اللہ خود مجاہد اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تحریر کر دیا کہ آپ نے بنفس نفیس کسی جہاد میں شمولیت اور مشغولیت نہ کی۔ یہ بات قطعاً خلاف واقعہ ہے اور مفتی صاحب کی فکرت علمی یا تعصب پسندی کی علامت ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت خود ہر غزوہ میں شرکت فرمائی اور تمام بڑی بڑی لڑائیوں میں آپ خود بھاریاں باندھ کر شریک ہوئے۔ اور اس بات سے اسلام کا بچہ بچہ واقف ہے کہ غزوہ اُسی لڑائی کو کہتے ہیں جس میں حضور اکرم شریک ہوئے جنگ احد میں حضور کا ساتھ جب اصحاب نے چھوڑ دیا تو آپ کے

دنیا مبارک شہید ہوئے۔ جن میں میدان میں ڈٹے رہے اور بھگورے
ساحقیوں کو پکارتے رہے۔

الغرض ہم میدانِ مجاہدین کے ماننے والے ہیں اور مفتی صاحب گھمبیلو
مجاہدوں کے مداح ہیں۔ ہمارے لئے میدان کھلا ہے۔ ہم اُن کی یہ تین قسمیں بھی
پر بحث لاتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ان اقسام کے اعتبار سے بھی اُن کا
ممدوح فضیلت کا مستحق نہیں ہے۔

جہاد باللسان | بقول مفتی صاحب اول قسم جہاد باللسان ہے
کہ اسلام کا پیغام پہنچانا، شریعت کے احکام سمجھانا
اور وعظ و نصیحت کرنا وغیرہ۔

اس قسم جہاد کے لئے ضروری ہے کہ مجاہد صاحبِ علم ہو۔ اور علم کا
سب سے بڑا ماخذ قرآن مجید ہے۔ میرا عالم اسلام کو کھلا چیلنج ہے کہ وہ کسی صحیح
کتاب سے کوئی مرفوع و متواتر حدیث پیش کریں جس کے تمام راوی ثقہ ہوں
جس میں یہ مرقوم ہو کہ حضرت ابوبکر حافظ قرآن تھے۔ یا حضرت ابوبکر کا کوئی
قول پیش کیا جائے جس میں انہوں نے عالم القرآن ہونے کا دعویٰ اپنا زینا
سے کیا ہو۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مسائل میں آپ قاصر رہے۔ پس جب
شریعت کے ماخذ اول ہی پر کامل دسترس نہ ہو تو پھر اس جہاد میں فضیلت
کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

شہادتِ رسول | اس کے برعکس حضرت علیؑ کے بارے فرماں
رسولؐ ہے کہ ”علی قرآن کے ساتھ ہے اور

قرآن علی کے ساتھ ہے۔“ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے حتیٰ کہ
حوض کوثر و نول وارد نہ ہوں۔“

(طبرانی فی الاوسط۔ ارتح المطالب ص ۱۳۹)

عبداللہ بن مسعود کی گواہی

مشہور قارئ قرآن صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ میں نے ستر

سورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھیں اور باقی سارا قرآن مجید تمام آدمیوں سے افضل شخص علی سے ختم کیا۔

(اختیار الخوارزمی فی المناقب طبرانی فی الکبیر ارجح المطالب ص ۱۳۹)

حضرت عمر کا اعتراف

امام احمد بن حنبل نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بتحقیق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ سے فرماتے تھے کہ تم مومنوں سے پہلے میرے ساتھ ایمان لانے والے ہو۔ اور تم ان سب سے خدا کی آیتوں کے ساتھ زیادہ تر علم رکھنے والے ہو اور تم ان سب سے خدا کے عہد کو زیادہ تر پورا کرنے والے ہو اور سب سے رعیت کے ساتھ زیادہ مہربانی کرنے والے اور ان سب سے اللہ کے نزدیک عظیم منزلت والے ہو۔ (ارجح المطالب ص ۱۳۹)

ذہبی نے تحریر کیا ہے کہ سعید بن عمرو بن سعید العاص کہتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ سے کہا کہ آپ مجھے ابوبکر و علی کے مرتبوں سے خبردار کر دیں کیونکہ باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمر رسیدہ ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سابق الاسلام ہونے کے پھر لوگ جناب علیؑ کی طرف کیوں زیادہ میلان رکھتے تھے۔ عبداللہ بن عیاش نے کہا اے میرے بیٹے ان کے پاس یعنی علیؑ کے پاس جو کچھ کاٹنے والے دانت چاہیئے تھے موجود تھے۔ اب کی فراخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربت قریبہ اور علم بالقرآن اور جنگ میں شجاعت اور بخشش عطا کے ساتھ۔

(ارجح المطالب ص ۱۴۱)

تعلیمی نے اپنی تفسیر میں اور البیہقی نے حلیۃ المتقین میں روایت کی ہے کہ عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ قرآن میں جو یہ آیت نازل ہوئی ہے جس کے معنی

یہ ہیں کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے وہ علی ابن ابیطالب ہیں۔

(ارجح المطالب من كل)

ان تمام روایات سے حضرت علی علیہ السلام کا تمام مسلمانوں سے زیادہ عالم القرآن ہونا ثابت ہے۔ اس کے علاوہ خود حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام منبر پر دعویٰ فرمایا کرتے تھے کہ ”جو کچھ چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ جو ان کے عالم بے نظیر ہوئے کا ثبوت ہے۔ پس جب حضرت امیر علیہ السلام کا علمی مرتبہ بلحاظ قرآن مجید حضرت ابوبکر سے بڑھا ہوا ہے تو کوئی وجہ انکار نہیں کہ ان کی افضلیت ابوبکر پر تسلیم نہ کی جائے۔

حضرت علی علیہ السلام کی علمی متاع آج بھی دنیا میں فیضی تقسیم کر رہی ہے۔ ان کے کلام کو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بعد از قرآن کا درجہ حاصل ہے۔ مادی و روحانی علوم میں ان کی ہدایات سے علمی تشنگی کی پابیس بجھتی ہے۔ جب کہ حضرت ابوبکر کا سرمایہ علمی کچھ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت ابوبکر کا زبان سے دین کی تعریف بیان شدہ ثابت کر دے تو ہم اس کے معتقد ہو سائیں گے بشرطیکہ یہ قول صحاح ستہ میں سے صحیح اسناد سے نقل کیا جائے۔

جہاد بالتدبیر | تدبیر و منصوبہ بندی کے لئے علم و تجربہ درکار ہو گا۔ میدان جنگ کی تدابیر وہی شخص بہتر

طریقے سے وضع کر سکے گا جو بذات خود شاق سپاہی اور آزمودہ مجاہد ہو۔ ایک ایسا شخص جیسے فن سپاہ گری و فوجداری اور جلیلہ معرکہ رانی سے واسطہ ہی نہ پڑا ہو اور اگر ایسا وقت آیا بھی ہو تو اس کی حیثیت کسی خصوصیت

اہمیت کی حامل نہ رہی ہو تو اس کی تدبیر پر غور نہیں کیا جاسکے گا۔ حضرت ابوبکر کو جنگی مہارت حاصل نہ تھی اور نہ ہی کسی جنگ میں قبل از اسلام یا بعد از اسلام ان کے کسی نمایاں کردار کی جبر حاصل ہوتی ہے۔ پس ایک لٹری

شخص کے لئے یہ گمان کر لینا کہ وہ جنگی پالیسی کی صنعتیت میں مشغول ہو گا۔
عقل سلیم کے خلاف بات ہے۔

پھر زمانہ پیغمبر کے جہاد تمام تر احکامات وحی کے مطابق تھے اور
وحی کے مقابلے میں غیر معصوم مشاورت کا کوئی اقتدار نہیں ہے۔ مالی اعانت
کرنا بلاشبہ کارِ غیر ضرور ہے مگر جان مال سے افضل ہے۔ بھائی ایتار بہر حال
مالی ایشار پر فوقیت پاتا ہے۔

اب چونکہ حضرت ابوبکر کو کئی نامی گرامی جنگجو سپاہی یا آزمودہ کار
پہلوان نہ تھے بلکہ الجیشہ عمر رسیدہ تاجر ذہن آدمی تھے اس لئے جہاد
بالتبصیر میں ان کی افضلیت کا تذکرہ ہی غیر ضروری ہے۔ اس کے برعکس
حضرت حیدر کرار کا جتنی مجاہد سونا متفقہ امر ہے لہذا ان کی تدبیر بھی
ان کے عملی تجربات کی بنیاد پر اور جنگی مشاہدات کی اساس پر یقیناً حضرت
ابوبکر کی تدبیر پر فوق رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ خود اہل سنتہ اکثر کہا کرتے
ہیں کہ یحییٰ بن نے حضرت امیر سے جنگی مشورے حاصل کیے۔ اگر ان کے مشورے
ماہرانہ نہیں تھے تو پھر یحییٰ بن کو یہ احتیاج کیوں پیش آئی رہی۔ یہ محتاجی انہوں
اس امر کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں
جناب امیر علیہ السلام کو اپنے سے افضل مدبر جنگ تسلیم کرتے تھے۔ اودان
کے تجرباتِ حربی سے مستفید ہونے کے ممنون تھے۔

جہاد بالید | اس قسم کے جہاد کے معاملہ میں تو مفتی صاحب نے خود
ہی ہتھیار ڈال دیئے ہیں کہ اس میدان میں یحییٰ بن کے
محکمے ہوئے قدموں کے نشانات کے علاوہ اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔
جبکہ حیدر کرار کا لہو حیدری آج بھی میدانوں میں گونج کر جہادِ علوی کی یاد
کو تازہ کرتے ہوئے ہے۔ حضرت امیر المومنین کا جہاد تو بہت بڑی بات ہے
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو صرف ایک ضربتِ حیدریہ کو

تقلیدین کی عبادت سے افضل قرار دیا ہے چنانچہ دہلی نے فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے روزِ خندق عمرو بن عبدود کے ساتھ جناب علی ابن ابی طالب کے مقابلہ کرنے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام اُن اعمال سے کہ قیامت تک میری امت کے لوگ کرتے رہیں گے علی کی یہ ایک ضرورتِ افضل ہے۔ اسی طرح امام حاکم نے نقل کیا ہے کہ شہر بن حکیم اپنے والد سے ناقل ہیں کہ خندق کے دن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، علی کا عمرو بن عبدود سے مقابلہ کرنا تمام اُن اعمال سے کہ قیامت تک میری امت کے لوگ کریں گے افضل ہے۔

بارگاہ رسالت میں عرض میں غلام علی یہاں بارگاہ رسالت مآب میں عرض کرتا ہوں کہ یا رسول اللہ

ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی امت میں حضرت ابو بکر بھی شامل ہیں لہذا اُن کے تمام اعمال بھی شامل کر کے آپ کی باقی تمام امت کے اعمال سمیت اگر آپ کے وحی علی کی ایک ضرورت کو افضلیت حاصل ہے تو پھر آپ کی امت کو یہ کیا حق ہے کہ حضرت ابو بکر کو حضرت علی سے افضل قرار دیتی ہے۔ آپ کے حکم بھی نہیں مانتی اور پھر امت ہونے کا دعویٰ بھی جاری ہے! لہذا مفتی صاحب سے یہی گزارش کروں گا حدیثِ ضرورت آپ کے دل میں ہو رہے اس کی صحت میں بھی کلام نہیں۔ اب ہم رسول اللہ کی بات قبول کریں یا آپ کی خود ساختہ توضیحات پر کان دھریں۔ جب نبیؐ نے فیصلہ کر دیا کہ علی کی ایک ضرورت ساری امت کے اعمال سے افضل ہے تو پھر ایک امتی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس فیصلہ کو خلوص دل سے قبول کرنے سے گریز کرے یا تنگ دلی کا مظاہرہ کرے۔ پس آپ کے زعم میں حضرت ابو بکر کے اعمال لاکھ بھاری بھی مگر ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق اس ضرورت کے مخالف پلہ میں ہی جگر پائیں گے اور حضرت علی علیہ السلام

کی دیگر خصوصیات تو ہمیں ایک طرف اُن کی صفتِ رابکِ ضربتِ روزِ خندقِ اُن کو تمام امت سے افضل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

اپنے مذہب کا بھرم قائم رکھنے کے لئے اور اپنے مدوح کا وقار بحال کرنے کی خاطر حقیقی صاحب نے اپنی بیان کردہ دو اقسامِ جہاد پر زور قلم صرف فرمایا اور چند موضوعِ روایات بھی ہیں جن پر بحث کرنا اس کتاب کو طول دے گا۔ اور بعض مضمون سے متعارف ہو گا لہذا کسی اور موقع پر اُن پر بھی گفتگو ہوگی تاہم ساکھ جانے کے لئے مفتی صاحب نے یہ بھی تحریر کر دیا کہ

"تیسرے قسم کے جہاد کے لئے بھی جب کہیں فوج بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو اکثر و بیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی سردار و کمانڈر بنا کر بھیجا۔ (۱) اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے بارگاہِ نہایت بے جگری سے کفار کے ساتھ دستِ بدست بھی (رٹے) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی تیسرے قسم کے جہاد میں خوب حصہ لیا۔ (افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ص ۶۹-۷۹)

مفتی صاحب نے کوئی تاریخی حوالہ اپنے بیان کی تائید میں پیش نہیں کیا ہے۔ لہذا وہ معرکے جن میں حضرت ابوبکر کو سردار بنا یا گیا ہمارے علم میں نہیں ہیں اس لئے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ان لڑائیوں کے نام بھی تحریر کر دیں۔ البتہ ہمیں معلوم ہے کہ جنگِ خیبر میں اُن کو روانہ کیا گیا مگر وہ ناہراد واپس آئے۔ اور ان کی زبرداریت فوج نے اپنے جرنیل کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی "شمس العلماء اشبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں :-

"قلندہ تموص مرتب کا تخت گاہ تھا۔ اس مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا۔ لیکن دونوں ناکام واپس آئے۔ طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلندہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ جم سکے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے

نامردی کی۔ لیکن فتح نے ان کی نسبت خود بھی شکایت کی۔

(سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۵۱)

ہم تو جانیں سیدھی بات، بازی ہوئی ابھی مات۔ کوئی بھی مداح

ابو بکرؓ کی معتبر تاریخ سے جو بارخِ سور سال قبل پہلے لکھی گئی ہو یہ ثابت کر دے کہ حضرت ابو بکرؓ نے تمام غزوات میں صحتِ عین کا فرائض کو قتل کیا ان کے نام اور جنگ کا نام لکھ دیجئے۔ بس ہم مان لیں گے حضرت ابو بکرؓ سے بہادری۔

چلیے یہ کام ذرا مشکل ہے کوئی ہمیں صحتِ عین بتا دے کہ میرا جہاد میں حضرت ابو بکرؓ کو کتنے زخم آئے اور کس کس جنگ میں کس مخالفت کا کرنے لگا کو زخمی کیا۔ اگر ناکام رہیں تو میرے مولائے ہاتھوں پیٹم رسید ہونے والے ملعونوں کی فہستہ خود ہی کتابوں میں سے مرتب کر کے ایمانی فیصلہ کر لیں کہ کس کا جہاد افضل تھا۔

حضرت عائشہؓ کا جنگوں سے فرار کتبِ اہل سنت سے مکمل طور پر ثابت ہے۔ جسے شوقِ ہومیری کتاب "فروعِ دین" اور رسالہ "صدیقی اکبر اور فاروقی اعظم" کا مطالعہ کر کے اپنے شبہات رفع کر لے۔ کیونکہ اس کتاب کا لغزِ ممنون عجب تفصیل کی اجازت نہیں دیتا ورنہ شواہد نقل کر دیتا کہ مفتی صاحب کے مدوح نے کیسی دستِ بدست لڑائی کی اور کس طرح تیسرے قسم کے جہاد میں محبوبِ حق لیا۔ انفسِ صلح حضرت علیؓ کا جہاد مسلّمہ ہے اور فریقین نے اُن کی جنگی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکرؓ سے عدمِ استقامت، فرار، نامردی اور غزولی کے الزام اتھام خود ہی کتب میں مرقوم ہیں۔ لہذا مشکوک فرد کو درجہِ افضلیت حاصل نہیں ہو سکتا۔

مفتی صاحب نے براز کے قول سے جو انہوں نے اپنی مسند میں حضرت علیؓ سے منسوب کیا ہے، یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب سے زیادہ بہادر و شجاع رہے کہ روایت منقولہ کے اسناد صحیحہ بھی نقل کئے جائیں۔

تھے۔ اس سلسلہ میں میری عرض یہی ہے کہ ہزار کا قول قطعاً غیر مستند ہے۔
کیونکہ یہ خلاف واقعہ بات ہے۔ زیادہ سے زیادہ سچ کہی جاسکتی ہے۔

علوم عالم

علم یقیناً قطعاً معیار افضلیت ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ کیا
عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی ہرگز نہیں ہو سکتے ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین
کے علم کا مرتبہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عالم القرآن ہیں۔ آپؑ نے
خود ارشاد فرمایا ہے کہ سارا علم بسم اللہ کی ب میں سمٹ جاتا ہے جب نقطہ حاد اور
وہ نقطہ میں (علی) ہوں۔ آپؑ کی تربیت آغوش مصطفیٰ میں ہوئی۔ حضورؐ نے
آپؑ کو اس طرح تعلیم دی جس طرح پروردگار اپنے بچے کو خود اک دیتا ہے۔ کبھی
آپؑ کو مدینہ علم کا دروازہ کھلا اور کبھی حکمت کے گھر کا باب۔ آپؑ کے خطبات، مکتوبات
اور ارشادات و اشعار کچھ بھی دنیا کے علم و عرفان کے لئے ہدایت و راہبری کے بلند
مینار ہیں۔ کوئی گوشہ علم ایسا نہیں جس پر آپؑ نے روشنی نہ ڈالی۔ علم طب، جراحی،
علم کتب الہامی، تفسیر، علم القراء، علم الحدیث، علم فقہ، علم الفرائض، علم الکلام،
علم اصول، علم تصوف، علم منہج و نحو، علم فصاحت و بلاغت، علم کثابت و خطابت،
علم الشعر، علم الریاضی، علم ہیئت، علم تعبیر، علم المعجز، علم الجماعہ، علم الدینی اور علم القرآن
وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے اپنی کتاب "مستشرقین کی رائے" میں بارہ علوم پر بحث
کر کے ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؑ سے بڑھ کر سوائے استاد علیؑ حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی مخلوق درجہ علم و عرفان پر فائز نہیں ہے۔ حضرت علیؑ
کے لئے علم میں افضلیت من کل الوجوہ اس بات سے ثابت ہے کہ آپؑ نے کسی
شخص خاک کی سامنے زانوئے تلمذ نہ نہیں کیا ہے۔ روحانیت میں صوفیا، کرام اور
فقرا نے آپؑ کو مرشد و معلم و معرفت تسلیم کیا ہے۔ خود شیخین نے اپنے مسائل
حضرت علیؑ سے حل کروائے ہیں اور اقرار کیا ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو ہم ہلاکت

۳۰

میں پڑ جاتے۔ اور آج کے زمانہ ترقی میں تمام اہل علم نے در علم کے سامنے اپنے سروں کو جھکاتے ہوئے برملا اعتراف کیا ہے کہ صدیوں سال پہلے جن حقائق کا اظہار تعلیمات علویہ میں ملتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کا علم وہی تھا۔ تاہم ذات امیر علیہ السلام کا ارفع و اعلیٰ مرتبہ محتاج تعارف نہیں ہے۔ ہم صرف حضرت ابوبکر کا علمی مقام مختصراً پیش کر کے قارئین سے انصاف طلب ہیں کہ وہ فیصلہ فرمائیں کہ حضرت علی اور حضرت ابوبکر میں بڑا عالم کون ہے۔

علم ابوبکر | قیس بن زویب سے روایت ہے کہ میت کی نانی حضرت

ابوبکر کے پاس میراث مانگنے کا دعویٰ لے کر آئی۔ حضرت ابوبکر نے کہا اللہ کی کتاب میں تیرا کچھ حصہ نہیں ہے۔ نہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں کوئی حدیث سنی ہے۔ تو چلی جا میں لوگوں سے یہ بات دریافت کروں گا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر نے لوگوں سے پوچھا۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا میں اس وقت موجود تھا۔ میرے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نانی کو چھٹا حصہ دلایا ہے۔ ابوبکر نے کہا اور بھی کوئی تمہارے ساتھ ہے جو اس معاملہ کو جانتا ہو تو محمد بن مسلم انصاری کھڑے ہوئے اور جیسا مغیرہ بن شعبہ نے کہا تھا ویسا ہی بیان کیا۔ تب ابوبکر نے چھٹا حصہ اس کو دلایا۔

پھر حضرت عمر کے وقت میں دای میراث مانگنے کو آئی۔ حضرت عمر نے کہا اللہ کی کتاب میں تیرا کچھ حصہ نہ ہو نہیں ہے۔ اور پہلے جو حکم ہو چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں وہ نانی کے باب میں ہوا تھا۔ اور میں اپنی طرف سے فرائض میں کچھ بڑھا نہیں سکتا ہوں۔ لیکن وہی چھٹا حصہ تو بھی ہے اگر نانی بھی ہو تو تم دونوں پہلے کو بانٹ لو۔ اور جو تم دونوں

میں اکیلی ہر یعنی صرف زمانی ہو یا صحت و رادی وہی چھٹا حصہ لے لیوے۔
 رکشف المخطا عن کتاب الموطا میراث الجدرہ ص ۱۵ مطبع صدیقی لاہور
 از ائمہ المخفاجلد دوم ص ۱۱۱ شاہ ولی اللہ الحنفیہ ابانفہ ص ۱۱۱، صواعق مرقومہ ص ۱
 اسی طرح علامہ حافظ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب اتقان میں
 لکھتے ہیں :-

”ابو عبیدہ نے فضائل میں ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر
 سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ”وفا کھتہ و ابا“ کے معنی پوچھے گئے تو حضرت ابو بکر
 نے کہا کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے اور کون سی زمین مجھ کو اٹھائے۔ میں
 اللہ کی کتاب میں مجھ کہوں جو میں نہیں جانتا ہوں۔ اور یہی عمر بن خطاب
 سے بھی معاملہ ہوا ہے۔ (اتقان جلد ۱ ص ۱۱۱)

ان دونوں واقعات سے حضرت شیخین کا علمی میدان میں عجز
 اور کم بضاعتی واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی علیہ السلام کی شان
 علمی یہ ہے کہ آپ ہمیشہ یہ دعویٰ فرمایا کرتے تھے کہ جو چاہو پوچھ لو قبل اس کے
 کہ مجھے نہ پاؤ۔ علی زمین کی نسبت آسمانوں کے راستوں سے زیادہ واقف ہے۔
 علم قرآن و حدیث و فقہ تو رہے۔ ایک طرف آپ نے علوم عامہ کے حقائق
 پر سے جو پرے اٹھائے وہ آپ کے عظیم بے مثال ہونے کا روشن ثبوت ہیں۔
 چودہ سو سال قبل آپ نے چاند و سورج کے زمین سے فاصلے و محیط بیان فرمائے۔
 علم نباتات، علم جمادات، علم حیوانات اور منطق و فلسفہ وغیرہ سے متعلق ایسے
 ایسے کلیات تعلیم دئے جن کی تائید آج کے سائنس و فنون کے درمیان دانشوروں
 نے کی ہے اور یہ امور ہم نے حسب استطاعت اپنی کتاب ”صفہ ایک راستہ“
 میں پیش خدمت کئے ہیں۔

دینی اعتبار سے معاملہ تعین انفصلیت میں یہ بات افضل قرار دینے کے
 لئے ضروری ہوگی کہ جس بہن کو جتنی زیادہ معرفت خداوندی اور معرفت رسولؐ

۳۲

حاصل ہوگی اتنا ہی وہ عارت افضل ہوگا۔ لہذا ہم یہ معاملہ بارگاہِ رسولؐ میں لے جاتے ہیں اور فیصلہ طلب کرتے ہیں چنانچہ ارشادِ رسولؐ ہے کہ :-

”اللہ کی معرفت نہیں ہے کسی کو مگر حججے اور علی کو۔ اور حججے (رسولؐ) نہیں پہچاننا کسی نے مگر اللہ نے اور علیؑ نے“

پس یہ فیصلہ قولِ پیغمبرِ ثبات کرتا ہے کہ حضرت علیؑ بعد از رسولؐ تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔

علوم قرآنیہ
علوم قرآنیہ میں حضرت علیؑ کے افضل ہونے کی اولین دلیل یہ ہے کہ خود صاحبِ القرآن رسولؐ نے آپ کی شان میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ قرآن ناطق ہے یعنی بوتا ہوا قرآن ہے۔ ظاہری اعتبار سے حضرت علیؑ علیہ السلام حافظِ قرآن تھے جیسا کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے حضور کے ربوہ قرآن شریف محفوظ کر لیا تھا۔ اور آنحضرتؐ کو سنا دیا تھا۔ جبکہ حضرت ابو بکرؓ کا حافظِ قرآن ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ پس حضرت امیرؑ کو علوم قرآنیہ میں بھی حضرت ابو بکرؓ پر تفہیم حاصل ہے۔

تقویٰ و اتباعِ شریعت
حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام کے افضلیتِ تقویٰ و اتباع

شرعیہ کا بیڑہ ان پر عظیم ہے کہ انہیں خود سرورِ دو عالم کی بارگاہِ جیسے ”امام المتقین“ ولی المتقین کے القابات حاصل ہوئے۔ پس جس کو رسولؐ ولی و امام قرار دیں تو باقی تمام متقی افراد اس فرمودہ رسولؐ امام اور ولی کے ماتحت قرار پائیں گے۔ خواہ وہ حضرت ابو بکرؓ یا کوئی اور۔ چنانچہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :- ”پروردگار نے مجھ کو علیؑ کی نسبت وحی بھیجی

ہے کہ وہ تمام متقیوں کا امام ہے۔ (زبدوس الاخبار دہلی)
ظاہر ہے کہ تمام متقیوں میں اگر حضراتِ شیعین اہل تقویٰ تھے تو نظر
خدا و رسولؐ میں مزور ہوں گے۔ پھر بھی اُن پر وحی کے ذریعہ حضرت علیؑ کو
امام قرار دیا گیا ہے۔

امام حاکم ابونعیم، ابن جریر اور ابن نافع وغیرہم نے عبداللہ بن مسعود
بن زرارہ سے روایت نقل کی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے
تھے کہ شبِ معراج جب میں اپنے پروردگار کے پاس پہنچا تو مجھے علیؑ کے حین
القاب خدا نے القافہ دے کر وہ مسلمانوں کا سردار متقیوں کا امام اور
سفید تھا اور منہ والہ کا پیشوا ہے۔ (اریح المطالب ص ۲)

اب خود سنی روایات سے حضرت علیؑ علیہ السلام کا امام المتقین منان ثابت
ہے اور ظاہر ہے کہ امام کو ماموم پر فضیلت حاصل ہے۔ پس مفتی صاحب کے
بیان کردہ اس شرط پر بھی حضرت علیؑ کی حضرت ابوبکرؓ سے افضل ثابت ہوتے
ہیں علاوہ انہیں اتباع شریعت اور تقویٰ کے لئے شرک سے مبرا ہونا بہت
ضروری ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت ابوبکرؓ قبل از اسلام چالیس برس ظاہری
طور پر مشرک رہے اور جنوں کی پوجا کرتے رہے حتیٰ کہ اُن کی امام جاہلیت میں
آپ کا نام ہی عبد الکعبہ تھا جبکہ حضرت علیؑ کو اہل سنت کا کرم اللہ وجہہ
تحریر کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کی پیشانی کبھی کسی غیر خدا معبود کے
سامنے نہ جھکی۔ نیز یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی حضرت ابوبکرؓ میں شرک
چیونٹی کی چال کی طرح مخفی رہا۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ،

”خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک تمہارا اور چیونٹی کی چال
سے بھی باریک چلتا ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا کیا شرک یہ نہیں کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی
معبود بنایا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ شرک تمہارا اور چیونٹی کی چال سے بھی باریک
چلتا ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۲۹۵) تفسیر و منثور جلد ۱ صفحہ ۱۷۰ کنز العمال جلد ۱۰
 حیوۃ المؤمن جلد ۱ صفحہ ۲۲۵، بروایت حافظ ابوالعلیٰ امام احمد اور بغوی (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۰)
 اسی طرح یہی روایت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یوں نقل کی ہے۔
 ”حضرت معتزل بن سبیار نے کہا میں حضرت ابوبکر کے ہمراہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کی خدمت میں گیا۔ آپ نے فرمایا ”اے ابوبکر! شرک تمہارے اندر جیونے کی
 کی رفتار سے بھی زیادہ باریک چلتا ہے۔“ ابوبکر نے کہا کیا شرک وہ نہیں
 کہ جس نے سوائے اللہ کے کوئی دوسرا معبود بنایا۔ جناب رسول خدا نے فرمایا۔
 اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ شرک جیونے کی
 بھی چال سے باریک چلتا ہے۔ کیا میں تم کو ایسی دعا سکھاؤں کہ جب تم اس کو
 پڑھو تو شرک تمہارا ہر بار زیادہ تم سے دور ہو جائے۔ فرمایا کہ اللھم انی
 اعوذ بک ان اشرک بک وانا اعلم واستغفرک لعل لا اعلم۔ الخ
 اسی مقام پر شاہ ولی اللہ نے دوسری روایت بھی ہے جس میں یہ الفاظ
 نہ اندر تحریر ہیں کہ ”تیری ماں تجھ پر روئے۔“ یہ کلمہ بدوعا یہ ہے۔

(از انشاء مفتداوول صفحہ ۱۹۹)

تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ شرک تقویٰ کو مضرت ہے۔ اور

اتباع شریعت کا مخالف ہے۔ پس اس صورت میں حضرت ابوبکر کا تقویٰ اور
 اتباع شریعت مقام افضلیت پر پورے نہیں اترتے ہیں۔ مزید برآں کہ حضرت
 ابوبکر کے ایمان کی شہادت دیتے پر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 گریز فرمایا۔ چنانچہ کتب اہل سنت میں یہ روایت موجود ہے کہ:-

”ابوالغفر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد
 کے شہداء کے لئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا میں گواہ ہوں۔ حضرت
 ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں۔ ہم بھی مسلمان ہوئے
 جیسے وہ مسلمان ہوئے اور ہم نے جہاد کیا جیسے انہوں نے کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں مگر مجھے

معلوم نہیں کہ تم میرے بعد کیا کرو گے۔ تو حضرت ابو بکرؓ روئے لگے۔ اور کہا کیا ہم زندہ رہیں گے آپ کے بعد۔“

(کتاب کشف المغا عن کتاب الموطا، مطبع صدیقی لاہور ص ۱۲ کتاب المغازی واقدی غزوہ احد ص ۱۴)

اس کے برعکس حضرت علیؓ کے بارے میں حضورؐ نے وثوق سے فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ علیؓ میرے بعد دنیا کو اختیار کر کے راہِ ستقیم سے ہٹ جائے۔ بلکہ ارشاد فرمایا کہ علیؓ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؓ کے ساتھ ہے۔ اے اللہ پھر دے حق کو اُدھر جہد ہر علیؓ پھر جائے۔

حضرت امیر علیہ السلام کے زہد کے بارے میں جس قدر اخبار زہد وارد ہوتے ہیں کسی دوسرے کے لئے نہیں۔ چنانچہ مشہور ہے:

”سنی مفسر امام محمد الدین رازی اپنی کتاب اربعین میں لکھتے ہیں کہ:۔“
”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں ایک گروہ صحابہ کا زہد اور ورع میں مشہور تھا۔ جیسے حضرت ابوذر غفاریؓ سلمان فارسیؓ ابوذر داؤد وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ سب بزرگوار ترک و تجرید میں مولیٰ علیؓ کے مقلد تھے۔“

ابن عساکر اور ابن اثیر نے بیان کیا ہے کہ حسن بن صالح کہتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے زاہدوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا دنیا کے لوگوں میں علی بن ابیطالب سب سے زیادہ زاہد تھے۔

ابوالخیر امام حاکم، ابن اثیر اور ابن حجر نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تحقیق تجھ کو اے علیؓ خدا نے ایسی زینت سے مزین کیا ہے کہ کسی کو اس سے بہتر زینت نہیں دی گئی اور وہ نہ ہفتی الدنیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک بندوں کی زینت ہے۔ پس

تجھ کو ایسا بنایا ہے کہ تجھے دنیا سے اور دنیا کو تجھ سے کوئی چیز نہ ملی۔ تجھ کو مسکینوں کی محبت دی گئی۔ اور تجھ کو ان کے پیرو ہونے سے راضی کیا ہے۔ اور ان کو تیرے امام ہونے سے خوش کیا ہے۔

امام احمد نے امام ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ ہم اس اُمت میں جناب رسول خدا کے بعد علی بن ابی طالب سے زائد نہیں پاتے کہ انہوں نے نہ کبھی اینٹ پر اینٹ رکھی اور نہ بانس پر بانس دھرا۔

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں امام حسن سے مروی ہے کہ امیر المومنین نے نہ مال کو جمع کیا اور نہ پیچھے چھوڑا بجز چھ سو درہم کے کہ اس سے خدام خرینہ چاہتے تھے۔

اس کے برعکس ہم حیران ہیں کہ جب حضرت ابو بکر شب ہجرت رسول اکرم کے تعاقب میں گئے تو ان کے پیچھے پانچ ہزار درہم تھے۔ جب وفات رسول ہوئی تو انہوں نے دفن رسول پر حصولِ محنت کو فوقیت دی۔ سادات کا خمس عصب کیا۔ باغِ فزک سہم کیا۔ زبردستی لوگوں سے زکوٰۃ بٹوری اور کئی مسلمانوں کو ناحق قتل کروادیا۔ اپنے خویش و اقرباء کو مالا مال کیا۔ یہ تمام باتیں زہر کے خلاف ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جب روایاتِ سنن ہی سے ثابت ہے کہ خود سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ ”خدا نے ایسی زمینیت سے مزین کیا ہے کہ کسی کو اس سے بہتر زمینیت نہیں دی گئی اور وہ زمین الدنیا ہے۔“ تو پھر فرمانِ پیغمبر کے خلاف کسی دوسرے کو زہر میں حضرت علی علیہ السلام سے افضل سمجھنا حکمِ رسول کی نافرمانی اور امرِ خدا کی سرکشی ہے۔ پس نصِ جلی کے ساتھ ثابت ہوا کہ زہر میں حضرت علی سے ماسوائے رسول مقبول کوئی شخص بھی بڑھا ہوا نہیں ہے۔

صدقہ والفاق فی سبیل اللہ | حضرت امیر المومنینؑ کے انفاق

بارے میں قرآن مجید میں آیت ولایت اور سورہ دہر کا نزول ناقابل انکار دلیل علوشانی ہے۔

امام احمد لکھتے ہیں کہ علی فرماتے ہیں کہ اگر تو مجھے اس غنیمت کے ساتھ دیکھتا کہ میں نے پتھر اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے باندھا ہوا تھا حالانکہ اس دن میری زکوٰۃ چالیس ہزار تھی اور ایک روایت میں ہے کہ مسکیر مال کی زکوٰۃ چالیس ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی۔

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے امام اہل السنۃ محب طبری لکھتے ہیں کہ اکثر وہی لوگوں کو اس حدیث پر وہم پیدا ہوتا ہے کہ جناب امیر کے پاس اس قدر مال تھا کہ جس کی اتنی بڑی رقم زکوٰۃ لگائی تھی حالانکہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ آپ سب لوگوں سے زیادہ نااہل تھے چنانچہ پہلے آپ کا حال تحریر ہو چکا ہے۔ ابوالحسن بن فارس لغوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے اس حدیث کا مطلب پوچھا وہ کہنے لگے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ فسر مارتے ہیں کہ جب سے مسکیر ہاتھ مال آیا ہے اگر وہ آج کے دن تک مسکیر ہاتھ میں ہوتا تو اس کی زکوٰۃ اس قدر بنتی۔ اس کے علاوہ ان اوقات سے بھی مراد ہو سکتی ہے کہ جن کو جناب امیرؑ نے جاری کیا تھا۔ اور قبل ان کے اجراء کے وہ ان کے مالک تھے۔ اور شاید کہ ان کا محاصل اس مقدار پر ہو جس کو جناب امیرؑ نے بیان فرمایا ہے۔ (ریاض النضرۃ)

اس امر میں حضرت علیؑ علیہ السلام سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا۔ اور فرشتے تک آپ کے سائل ہو کر آئے اور قرآن مجید میں کئی آیات اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ جب ہم آیت ولایت کی تفسیر پڑھتے ہیں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اہل اقلی کا نزول اس کا ثبوت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس چار درہم تھے کہ ان کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہیں تھا۔ آپؑ نے ایک درہم رات کو اور ایک دن کو اور ایک پوشیدہ اور ایک ظاہر خیرات کیا۔ پس پروردگار عالم نے یہ آیت نازل فرمائی کہ الذین ینفقون اموالہم باللیل والنهار سرّاً وعلانیۃ نلھم اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کو خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں پوشیدہ اور ظاہر پس اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس اجر ہے اور نہیں خوف ان پر اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ (تفسیر واحدی بحوالہ ابرج المطالب ص ۲۱۴)

امیر المومنینؑ کی یہ صفت اس قدر عام و مشہور ہے کہ ان کے دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ صاحب مطالب السؤل لکھتے ہیں کہ:

”محقق بن ابی عمفر نے معاویہ بن ابوسفیان سے کہا کہ میں بخیل ترین ظالم (یعنی معاذ اللہ علی) سے تیرے پاس آیا ہوں۔ معاویہ نے کہا افسوس ہے تم پر تو اُن (علیؑ) کو کیونکر بخیل کہتا ہے کہ اگر اُن کو ایک سوئے کے گھر کا اور ایک انہر کے گھر کا مالک بنایا جائے تو قبل اس کے وہ انہر کا گھر تمام ہو سونے کا گھر ختم ہو جائے گا۔“

مشہور امام اہل سنت شعبی کہتے ہیں کہ خواب امیر علیہ السلام کی سخاوت تمام لوگوں سے بڑھ کر تھی۔ وہ ایسے سخی ترین تھے کہ سخاوت و وجود کو محبوب رکھتے تھے کہ کبھی کسی سائل کے لئے اپنی زبان مبارک سے ”لا“ یعنی نہیں ہرگز نہ کہا تھا۔ آپؑ اپنے ہاتھوں سے دریغ کے یہودیوں کے باغات کو سیراب فرماتے تھے یہاں تک کہ اُن کے ہاتھوں میں آبلے پڑ جاتے تھے اور جو اجرت کے پیسے آپؑ کو ملتے تھے وہ خیرات کر دیتے تھے اور اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پھر ماندھ پیتے تھے۔ (مطالب السؤل)

علامہ کنوی نے سخاوت امیر المومنین کا ایک غیر العقول واقعہ لکھا ہے جس سے آپ کی فراغت، دست کشادگی اور حاجت روائی کا جائزہ جملہ جہات سے لیا جاسکتا ہے۔ علامہ موصوف اپنی لبقات میں نقل کرتے ہیں کہ:

”حضرت علیؑ ایک کافر سے لڑ رہے تھے۔ دونوں طرف لشکر کے لوگ صفت باندھے کھڑے تھے۔ مسلمان بہت تھوڑے تھے اور کفار کثرت سے تھے۔ کفار کی جمعیت دس ہزار کے قریب تھی۔ اُس دم مقابل کافر حضرت علیؑ سے کہا یا علیؑ اپنی تلوار مجھے دکھائیں جناب امیرؑ نے اپنی تلوار اُس کافر کو دے دی۔ کافر نے تلوار ہاتھ میں لے کر کہا اب جبکہ تم اپنی تلوار مجھے دے چکے ہو۔ اب تم میرے ہاتھوں سے کیسے بچ کر نکل سکتے ہو؟ جناب امیر علیہ السلام نے بڑی عنایت سے جواب دیا کہ تم نے مجھ کاروں کی طرح میرے سامنے دست سوال دراز کیا۔ پس میری مروت نے تقاضا نہ کیا کہ سائل کا ہاتھ روک دیا جائے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ امیر المومنینؑ کا یہ جواب اس کافر کی تقدیر بدلنے کے لئے کافی ہوا۔ فوراً ایمان لے آیا۔“

سخنیوں کی شان ایسی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ جنہوں نے رسول اللہ کے ہاتھ افشانی کا سودا کر لیا وہ کیا جانیں کہ انفاق فی سبیل اللہ کیا ہوتا ہے۔ ہمارا دعوٰی ہے کتب تفاسیر میں حسن قدر آیات حضرت علیؑ علیہ السلام کی شان میں دربارہ انفاق فی سبیل اللہ نازل ہوئیں کسی اور بزرگ کے حق میں نازل نہیں ہوئی ہیں۔ یہ نزول آیات ثابت کرتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے ہم مرتبہ اس صفت میں بھی کوئی دوسرا نہیں ہے۔ افضل ہونا تو بعد کی بات ہے۔

حُسنِ سیاست | امیر المومنین علیہ السلام کی سیاست پر ہم نے اپنی کتاب ”صنہ رائیک راستہ“ کے باب سیاست و

۴۰
 تقضایا میں مفصل روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ رسالہ ”دین ہماری سیاست“
 ہے۔ اسی موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ لہذا جن حضرات کو دلچسپی ہو
 مذکورہ کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ جناب امیر علیہ السلام کی سیاست کا بنیادی
 اصول یہ ہے،

”فن حکمرانی مگر باندی احکام خدا کے ساتھ“

آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص یہ اعتراف کرنے پر
 مجبور ہے انہوں نے اپنے گروہ پیچیدہ ماحول اور غیب و غریب رعایا میں اپنا
 کردار بے داغ چھوڑا ہے۔ انہوں نے سیاست اور دین میں جدائی برداشت
 نہیں کی ہے۔ اور پر آشوب دور میں بھی اپنے اصولوں پر سدا بازی نہیں کی
 ہے۔ کسی سیاستدان کا اپنے اختیار کردہ موقف پر قائم و دائم رہنا سب
 سے بڑی خوبی ہوتی ہے۔ اور آپ کے سوانح حیات میں ایک بھی ایسی مثال
 پیش نہیں کی جا سکتی ہے کہ آپ نے اصولوں سے سر مو بھی تجاوز کیا ہو۔
 حضرت امیر المومنین کی سیاسی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے
 حکومت قبول کرنے سے پہلے یہ شرط عائد کی تھی کہ میں جس راہ پر مناسب سمجھوں
 گا چلاؤں گا۔ جبکہ حضرت ابو بکر کے دو مہینے خود ان کی حیثیت بعض ایک کٹھ پتلی
 حکمران کی سی تھی اور دراصل ریاست کی تمام ذمہ داریاں حضرت عمر کے گلازموں
 پر تھیں۔ آپ کو خود اپنے حاکم ہونے پر رشک رہتا تھا۔ پہلے ہی خطبہ میں انہوں نے
 عجز کا اظہار کیا کہ اگر میں سیدھا چلوں تو میری پیروی کتنا اگر اٹھا چلوں تو سیدھا
 کروں گا۔ انہوں نے آخری وقت میں اطمینانی کا اظہار کیا کہ کاش میں خلافت کا
 بار نہ اٹھاتا۔ کسی نے ان کو خلیفہ کہا تو آپ نے کہا میں خلیفہ نہیں خالِف ہوں۔
 جب خود حضرت ابو بکر نے اہلیت، وقابلیت سیاست سے قاصر ہونے کا اعتراف
 کر لیا ہے تو پھر یہ نہ کہ وہ اس مقابلہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔ پس ہماری نظر میں
 اسلامی سیاست کے لحاظ سے حضرت ابو بکر میں اہلیت ہی کا فقدان ہے

مفتی محمد غلام سرور قادری صاحب کی بیان کردہ سات صفات کے تحت ہم نے حضرت امیر المومنین کی افضلیت کے اثبات کے لیے سترہ سے نقل کئے۔ اس کے علاوہ کتب اہل سنت اور اقوال علمائے اہل سنت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جناب سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جناب ابوالحسن، ابوالحسنین، ابو محمد البوریحائتین، ابوتراب البوسطین، امیر المومنین، امام المتقین، ولی المتقین، سید الصالحین، سید المسلمین، سید المومنین، سید العرب، سید فی الدنیا والآخرۃ، قائد الغر المحجلین، یسویب المومنین، یمسویب الدین، صدیق اکبر، فاروقی الاعظم، خاتم الوصیین، خیر الوصیین، الوسی، امام البرزہ، قاتل الفجور، صاحب الراہ، مقیم الحجۃ، حجتہ اللہ، رایتہ الہدیٰ، ولی اللہ، مسفعہ اللہ، شیخ المہاجرین، والانصار، قسیم النار والمجنۃ، وارث رسول اللہ، خلیفہ رسول اللہ، مناد الایمان، امام الاولیا، الہادی، صاحب اللواء، ناصر ولی اللہ، صالح المومنین، مولیٰ المومنین، منجز الوعد، قاتل الناکثین، والتعاصین، علما مقبولین، المرتضیٰ، الشاہ، الشہید، الراجح، السید، الصفی، الامین، باب حط، شلیل، ابرار، نفس الرسول، سیف اللہ، ذوالاذن الواعی، قاضی دین رسول اللہ، وزیر رسول اللہ، خیر البشر، ذوالقرنین، خاص صف النعل، الظاہر، الصادق، المؤمن، الانزع البیطین، العابد، الزام، کاسر اصنام، الکعبۃ الساقی، العجیب، القاری،

۴۲

بیضتہ، ابلا، المہدی، طہود النبی، الیہا، قیام عین الفتنة، امیر النحل، ذوالبرقہ،
 مثل عیسیٰ، القرم، علیم القرآن، عالم التوراة و زبور و الانجیل، مفسر عظیم، قاری
 اعظم، محدث اکبر، علیم الفقہ، عالم الفرائض و الاحکام باصول الدین، منبع تصوف،
 مجدد حق، امام الفصاحت و ابلاغت، شیخ الشعراء، کاتب الریح، عالم التبعیر و
 الروایہ، ساحل الخبیر الجامعہ، عالم الہدیت و الریاضی، سید الزاہدین،
 اسد اللغات، حیدر کمرار، جبار، غیر فرار علی ابن ابی طالب علیہ السلام
 تمام مخلوقات سے من کل الوجوہ افضل ہیں۔ علمائے اندازے میں عین سو
 سے زیادہ قرآنی آیات آپ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور سیکڑوں دیکھ آپ
 خود بوقت قرآن ہیں۔ آپ کی ولادت خدا کے گھر میں ہوئی۔ آپ کی تربیت
 آنکوش رسالت میں ہوئی۔ آپ نے سب سے پہلے اظہار ایمان کیا اور سب
 سے پہلے نماز پڑھی۔ آپ نے ہرگز کسی غیر خدا کی پرستش نہ کی۔ آپ نے مہر
 نبوت پر سوار ہو کر بت شکنی فرمائی۔ شبِ جبرائیلؑ رسولؐ پر سوتے جو
 کانٹوں کی سیج اور بستہ مرگ تھا (بظاہر) آپ ہی سیدۃ العالمین کے
 کفو قرار پائے۔ آپ کا گھر حضورؐ کا گھر ہوا۔ آپ کے علاوہ سب کے دروازے
 مسجد سے بند کر دیے گئے۔ آپ کو حالت جنب میں مسجد میں آنے کی آزادی
 ملی۔ اور رسولؐ نے اس داخلہ کو بجانب اللہ قرار دیا۔ آپ کو اخوت رسولؐ کا
 شرف نصیب ہوا۔ آپ ہی ہارونِ امت کہلوائے۔ آپ ہی کو رسولؐ نے کہا
 تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔ آپ ہی نظیر رسولؐ خدا چمکے۔ آپ ہی نظیر
 مریح ہوئے۔ آپ ہی کی ذات میں جملہ ایسا کے جزوی فضائل کیسے بیان ہوئے۔
 آپ کا اقدار اللہ اور رسولؐ کا ہوتا ہوا۔ آپ ہی کو تو من نور و واحد کا
 اعزاز ملا۔ آپ ہی کے لئے رسولؐ نے کہا ہم ایک خاک پاک سے ہیں۔ آپ
 ہی کے نور سے فرشتے پیدا ہوئے۔ آپ ہی کو حضورؐ نے قربانی میں شریک کیا۔
 آپ ہی بعد از رسولؐ ہمیشہ رسولؐ کی طرف سے قربانی دیتے رہے۔ آپ ہی کا

قبض روح آپ کی مشیت کے تابع کر دیا گیا۔ آپ ہی کو رسول نے شریک دعا کیا۔
 آپ ہی پر سائر شفقت رحمۃ العالمین سایہ ممکن ہوا۔ آپ ہی کو جرات و اجازت
 ملی کہ وقت غصہ حضورؐ سے بھلائی کر سکیں۔ آپ ہی کو رسولؐ نے اپنا سر بنایا
 اور کہا کہ علی کی منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسے سر کو بدن سے۔ آپ ہی
 حضرتؐ سے بمنزلہ حضرت کے خدا سے ہوئے۔ آپ کے علاوہ کسی کو حضرتؐ
 نے اپنے نام اور کنیت کو جمع کرنے کی اجازت نہ دی۔ آپ ہی کے گھر پر فرشتوں
 کے پرمل کی آرازیں سنائی دیں۔ آپ ہی کو ملائکہ نے سلام پیش کیا۔ اور
 فرشتوں نے لافلی الاعلیٰ لا سیف الاذوالفقار کا قصیدہ پڑھا۔ آپ ہی
 کے ایمان کی ٹھنک جبریل کے دل کو پہنچی۔ آپ ہی راسخ الایمان قرار پائے
 اور آپ کا ایمان زمین و آسمان سے بھاری فرمایا گیا۔ آپ ہی ذات خداوندی
 کے لئے سخت و دیوانہ ہوئے۔ آپ ہی کے گوشت و خون سے ایمان کا مخلوط
 ہوا۔ خدا نے آپ ہی کو امتحان ایمان کے لئے منتخب کیا۔ آپ ہی کے دل کو
 خدا نے براہ راست ہدایت کی۔ آپ ہی بمنزلہ قبلہ و کعبہ ہوئے۔ آپ ہی مثل
 قل ہوا اللہ ہوئے۔ آپ ہی کی ایک ضرورت تمام اُمت کے اعمال سے وزنی
 نکلی۔ آپ ہی کے دائیں و بائیں جبریل و میکائیل ہوئے۔ آپ ہی ہمیشہ ہر جنگ سے
 کاہیاب کوٹے۔ آپ ہی کو دنیا و آخرت میں علمدار رسولؐ ہونے کا عہدہ تفویض
 ہوا۔ آپ ہی کو روزِ خمیس مرد کہا گیا۔ آپ ہی سے تبلیغ سورہ برات کا فریضہ
 پورا ہوا۔ آپ ہی نے حضورؐ کی امانتیں ادا فرمائیں اور رسولِ امین کے امین
 مقرر ہوئے۔ آپ ہی نے رسولؐ کے قصے راز سے۔ آپ ہی نے نبی کے وعدوں
 کو پورا کیا۔ آپ ہی جناب اللہ رسولؐ خدا کی تائید کے لئے مخصوص ہوئے
 آپ ہی نے مسجدِ نبیؐ کی بنیاد رکھی۔ آپ ہی کی پیشگوئیاں عہدِ عتیق میں کی گئیں۔
 آپ ہی کو اُمت کا باپ فرمایا گیا اور جو حق باپ کا اولاد پر ہے وہی حق اُمت
 پر آپ کا ہے۔ آپ ہی پر خدا راضی رہا۔ آپ ہی کو خدا نے محبوب کہا اور

۴۴

آپ ہی محبوب خدا کے محبوب ہوئے۔ آپ ہی پر خدا نے مہمانت کی۔ آپ ہی کی محبت عبادت ہے۔ آپ ہی کی زیارت عبادت ہے جس نے آپ کو چھوڑا اس نے رسول کو چھوڑ دیا۔ جس نے آپ سے دشمنی کی اس نے خدا سے دشمنی کی۔ جس نے آپ کی شان گھٹائی اس نے رسول کی شان گھٹائی۔ جس نے آپ سے حد کیا اس نے رسول سے حد کیا۔ جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی جس نے آپ کی مدد کی اس نے اللہ کی مدد کی۔ جس نے آپ سے جنگ کی اس نے رسول خدا سے جنگ کی۔ آپ ہی کا بغض علامت نفاق ہے۔ جس نے آپ کو ایذا دی اس نے حضور کو ایذا دی۔ جس نے آپ پر سب کیا اس نے رسول کو گالی بکی جس نے آپ پر غضب کیا اس نے نبی اکرم پر غضب کیا۔ جس نے آپ سے بغض رکھا اس نے رسول سے بغض رکھا۔ آپ سے تو لا رکھے بغیر جنت کی کوئی بھی نہیں پائی جاسکتی۔ آپ ہی کی محبت علامت اسلام مقرر ہوئی۔ آپ ہی کے تو لا کو قبل صراط پار کرنے کی شرط قرار دیا گیا۔ آپ ہی کا گوشت لحم رسول ہے۔ آپ ہی کا خون دم رسول ہے۔ آپ ہی راز دار رسول ہوئے۔ آپ ہی کو وقت آخر حضور نے اپنی روانے مبارک میں لیا۔ آپ ہی نے آنحضرت کو غسل دیا۔ روز قیامت آپ ہی پر شفیع المذنبین عکبر فرمائیں گے۔ آپ ہی قرآن کے ساتھی بنائے گئے۔ آپ ہی سے حق کا احقاق کر دیا گیا۔ آپ ہی کی شہادت پر قدرتی آثار ظاہر ہوئے۔ آپ ہی جنت میں رسول کے ہم مقام ہوئے۔ آپ ہی روز قیامت سب سے پہلے اپنا دعویٰ پیش کریں گے۔ آپ ہی قسیم نار اور قسیم جنت بنائے گئے۔ آپ ہی ساتھی کوثر ہوئے۔ آپ ہی کل ایمان ہوئے۔ آپ کی شہادت بحالت روزہ مسجد میں ہوئی۔ آپ ہی کے قاتل کو شقی الاخرین کہا گیا۔ آپ ہی کو سید شباب اہل الجنة سے افضل قرار دیا گیا۔

الخضر رضی مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی شان میں جس

قدر احادیث وارد ہوئی ہیں ان کو دیکھ کر یہ تسلیم کے بغیر چارہ نہیں کہ جناب امیر کی نسبت کسی شخص نے کتب التساب فضاائل نہیں کیا۔ اور حضرت کے فضاائل و مناقب لائحہ میں ہیں۔

۱۔ سلسلہ تفصیل پر اس عبوری گفتگو کے بعد اب ہم واقعہ حجت پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ شب حجت حضرت ابو بکر کی رفاقت رسولؐ فضیلت کے کس معیار پر ہے۔ حضرات اہل سنت و الجماعۃ عموماً اس واقعہ کو حضرت ابو بکر کے فضاائل میں بڑے طمطراق سے بیان کرتے ہیں۔ اور بڑے افسانوی انداز میں اس قصہ کی تشہیر کی جاتی ہے۔ بلاشبہ تاریخ اسلام کا انتہائی اہم اور ناقابل فراموش یہ واقعہ اس بات کا ضروری مستحق ہے کہ اس کے پس منظر، وقوعات اور نتائج پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ لہذا ہم چاہتے ہیں چونکہ یہ تاریخی واقعہ ہے لہذا اس پر تبصرہ اندازی کرتے ہوئے مؤرخانہ ذہنیت کو بروئے کار لاتے ہوئے مناظرہ سے جدائی اختیار کر لیں اور سب سے پہلے صحت واقعہ کو نقل کریں۔ اس کے بعد اس کی جزئیات زیر بحث لائیں اور تمام امور متنازعہ کو فرداً فرداً حل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ سنی مورخین نے اس واقعہ کو کتب تاریخ کی بجائے کتب احادیث سے اخذ کیا اس لئے ہم بھی نقلاً اس طریقہ پر ہی عمل کرتے ہیں۔

واقعہ حجت مدینہ اور بخاری شریف

علمائے اہل سنت نے اپنی کتب تاریخ میں زیادہ تر یہ واقعہ اپنی سب سے بڑی کتاب صحیح بخاری سے اخذ کر کے نقل کیا ہے۔ چنانچہ ہم بھی بخاری شریف ہی سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔

”یحییٰ بن کبیر، لیث، عقیل، ابن شہاب، عروہ بن زبیر، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین (اسلام) سے خیرین پایا۔ اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام دونوں وقت ہمارے یہاں تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو حضرت ابو بکرؓ بارادہ عجبتر حبش (گھبر سے) نکلے۔ حتیٰ کہ جب (مقام) بک انہما تک پہنچے تو ابن الدغنے سے جو (قبیلہ) قارہ کا سردار مقامات ہو گئی۔ اس نے پوچھا اے ابو بکرؓ کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سیاحی کروں۔ اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن الدغنے نے کہا کہ اے ابو بکرؓ تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے۔ تم فقیہ کی مدد کرتے ہو۔ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہو۔ بے کموں کہے کفالت کرتے ہو۔ مہمان کی ضیافت کرتے ہو اور حق کی (راہ میں) پیش آنے والے (مصائب میں) مدد کرتے ہو۔ میں تمہارا حامی ہوں۔ چلو اور چلو۔ اور اپنے وطن ہی میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنے کے ساتھ واپس آئے۔ پھر ابن الدغنے نے شام کے وقت تمام اشراف قریش میں چکر لگایا اور اُن سے کہا کہ ابو بکرؓ جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ لکھا جاسکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو فقیر کی مدد کرتا ہے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اور حق کی (راہ میں) پیش آنے والے (مصائب میں) مدد کرتا ہے۔ پس قریش نے ابن الدغنے کی امان سے انکار نہ کیا۔ اور ابن الدغنے سے کہا کہ ابو بکرؓ سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔ گھر میں نماز پڑھیں اور جو جی چاہے پڑھیں اور ہمیں اس سے تکلیف نہ دیں۔ اور زور سے نہ پڑھیں کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے (اس نئے دین میں) پھنس جائیں گے۔ ابن الدغنے نے

حضرت ابو بکرؓ سے یہ بات کہہ دی کچھ عرصہ تک حضرت ابو بکرؓ اسی طرح اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرتے رہے کہ زور سے نماز پڑھتے تھے اور نہ گھر کے سوا پڑھتے تھے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے دل میں آیا تو انہوں نے ایک مسجد اپنے گھر کے سامنے بنائی اور اب وہ اس مسجد میں نماز اور قرآن پڑھتے مرنے کی عمر تیس اور بیٹے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان سے حوش ہوتے اور ان کی طرف دیکھتے تھے۔ بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ (رفیق مہلبیؓ کی وجہ سے) بڑے رونے والے تھے۔ جب وہ قرآن پڑھا کرتے تو انہیں اپنی آنکھوں پر اختیار نہ رہتا۔ اشرا و قریش اس بات سے کھرا گئے اور انہوں نے ابن الدغنے کو بلا بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہاری امان کی وجہ سے ابو بکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے رب کی عبادت کریں۔ مگر وہ اس حد سے بڑھ گئے۔ اور انہوں نے اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنا ڈالی اور اس میں زور سے نماز و قرآن پڑھتے ہیں اور ہمیں خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے نہ بھنس جائیں۔ لہذا انہیں روکو۔ اگر وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرنے پر اکتفا کریں تو نبھا اور اگر وہ اعلان کئے بغیر نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ وہ تمہاری ذمہ داری کو واپس کر دیں۔ کیونکہ ہمیں تمہاری بات نپا کرنا بھی گوارہ نہیں۔ اور ہم ابو بکرؓ کو اس اعلان پر تھپوڑ بھی نہیں سکتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابن الدغنے ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا جس بات پر میں نے آپ سے معاہدہ کیا تھا آپ کو معلوم ہے۔ اب یا تو اسی پر قائم رہو یا میری ذمہ داری مجھے سونپ دو۔ کیونکہ یہ مجھے گوارہ نہیں ہے کہ اہل عرب یہ بات سنیں کہ میں نے جس شخص سے معاہدہ کیا تھا اس کی بابت میری بات نہ سنی ہو۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں تمہاری امان تمہیں واپس کرتا ہوں اور اللہ عزوجل کی امان پر راضی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں مکہ میں تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھے (خواب

44

(میں) تمہاری عہد شکنی کا مقام دکھایا گیا ہے کہ وہاں کھجور کے درخت ہیں۔ اور وہ دو سنگستانوں کے درمیان واقع ہے۔ پھر جس نے بھی عہد شکنی کو مدینہ کی طرف عہد شکنی کی اور جو لوگ حبشہ کی طرف گئے تھے ان میں سے اکثر مدینہ لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی مدینہ کی طرف عہد شکنی کی تیاری کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم کچھ ٹھہرو۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے (فرط مسرت سے) عرض کیا میں میرا باپ آپ پر قربان کیا آپ کو ایسی امید ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی وجہ سے مرک گئے۔ اور دو اونٹنیاں جو ان کے پاس تھیں انہیں چار مہینوں تک کینکر کے پتے کھلاتے رہے۔ ابن شہاب بواسطہ عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ہم ابوبکرؓ کے مکان میں ٹھیک دو پہر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کھینے والے نے ابوبکرؓ سے کہا (دیکھو) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چادر ڈالے ہوئے (تشریف لارہے ہیں۔ آپ کی یہ تشریف آوری) ایسے وقت تھی جس میں آپ کبھی ہمارے ہاں تشریف نہ لاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں میرا باپ آپ پر قربان بخدا ازور کوئی بات ہے سچی تو آپ اس وقت تشریف لائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ کو اجازت مل گئی۔ آپ اندر تشریف لائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا اپنے پاس سے اوروں کو ہٹا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں میرا باپ آپ پر فدا ہو جائیوں۔ یہاں تو صرف آپ کی کھجور والی ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے عہد شکنی کی اجازت مل گئی ہے۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں میرا باپ آپ پر فدا ہوں مجھے بھی رفاقت کا شرف عطا ہوا؟ آپ نے

فرمایا۔ ہاں (رفیق سفر تم ہو گے) حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مسکے ہاں باپ آپ پر قربان میری ایک اونٹنی لے لیجئے۔ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تو یقیناً پس گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر ہم نے ان دونوں کے لئے جلدی میں جو کچھ تیار ہو سکا کر دیا۔ اور ہم نے ان کے لئے چمڑے کی ایک پھیلی میں تھوڑا سا کھانا رکھ دیا۔ اسماء بنت ابوبکرؓ نے اپنے ازار بند کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس پھیلی کا منہ اس سے باندھ دیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب (ذات النطاق) ازار بند والی ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ جبل ثور کے ایک غار میں پہنچ گئے۔ اور اس میں تین دن تک چھپے رہے۔ عبد اللہ بن ابوبکرؓ جو نوجوان ہتھیار اور ذکی لڑکے تھے آپ حضرات کے پاس رات گزارتے اور علی الصبح اندھیرے منہ ان کے پاس سے جا کر مکہ میں قریش کے ساتھ اس طرح صبح کرتے جیسے انہوں نے یہیں رات گزاری ہے اور قریش کی ہر وہ بات جس میں ان دونوں حضرات کے متعلق کوئی مکر و تدبیر ہوتی یہ اسے یاد کر کے جب اندھیرا ہو جاتا تو ان دونوں حضرات کو آکر بتا دیتے تھے۔ اور ابو بکرؓ کے آواز کردہ غلام عامر بن نہیرؓ ان کے پاس ہی دن کے وقت بکریاں چراتے اور تھوڑی رات گئے وہ ان دونوں کے پاس بکریاں لے جاتے اور یہ دونوں حضرات ان بکریوں کا دودھ ہی پی کر اطمینان سے رات گزارتے حتیٰ کہ عامر بن نہیرؓ صبح منہ اندھیرے ان بکریوں کو ہانک لے جاتے اور ان تین راتوں میں ایسا ہی کرتے رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ نے (قبیلہ) بنی کویل کے ایک آدمی کو بنی عبد بن عدی میں سے تھا مزدور رکھا۔ وہ بڑا واقف کار رہا تھا۔ اور آلِ عامر بن وائلؓ سہمی کا حلیف تھا۔ اور کفار قریش کے دین پر تھا۔ ان دونوں نے اسے امین بنا کر اپنی دونوں سواریاں اس کے حوالہ کر دیں۔ اور تین راتوں کے بعد صبح

کوان دونوں سواروں کو غارِ ثور پر لانے کا وعدہ لے لیا۔ (چنانچہ وہ جب وعدہ آگیا) اور ان دونوں حضرات کے ساتھ عامر بن فہرہ اور وہ رہبر ان کو ساحل کے راستہ پر ڈال کر لے چلا۔ ابن شہاب نے فرمایا سراقہ بن جہشم کے بھتیجے عبدالرحمن بن مالک مدحی نے بواسطہ اپنے والد کے سراقہ بن جہشم سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے (جو اعلان کر رہے تھے) کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو قتل کر دے یا کھڑ لائے تو اُسے ہر ایک کے عوض سواونٹ ملیں گے۔ اسی حال میں اپنی قوم بنی مدح کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان میں سے ایک آدمی آکر ہمارے پاس کھڑا ہو گیا۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اس نے کہا اے سراقہ میں نے ابھی چند لوگوں کو ساحل پر دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے ساتھی ہیں سراقہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ تو گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں (مگر) میں نے (اسے دھوکہ دینے کے لئے تاکہ وہ میرے حاصل کردہ انعام میں شریک نہ ہوسکے) اس سے کہا یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ تو نے فلاں فلاں آدمی کو دیکھا ہے۔ جو ابھی ہمارے سامنے سے گئے ہیں۔ پھر میں تھوڑی دیر مجلس میں ٹھہر کر کھڑا ہو گیا اور گھر آکر اپنی باندی کو حکم دیا کہ وہ میرے کھوڑے کو لے جا کر (فلاں) ٹیلے کے پیچھے میرے رے پکڑ کر کھڑی رہے۔ اور میں اپنا نیزہ لے کر اس کی شام سے زمین پر خط کھینچتا ہوا اور اوپر کے حصہ کو جھکائے ہوئے گھر کے پیچھے سے نکل آیا۔ حتیٰ کہ میں اپنے کھوڑے کے پاس آگیا۔ بس میں نے اپنے کھوڑے کو اڑا دیا کہ وہاں جلد پہنچ سکوں۔ جب میں ان حضرات کے قریب ہوا تو کھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں گر پڑا۔ فوراً میں نے کھڑے ہو کر اپنے ترکش میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے تیر نکالے۔ پھر میں نے ان تیروں سے یہ فال نکالی کہ آیا میں انہیں نقصان پہنچا سکوں گایا نہیں؟ تو وہ بات کلی

جو مجھے پسند نہیں تھی۔ پھر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور میں نے ان تیروں کی فال کی پرواہ نہ کی۔ وہ گھوڑا مجھے ان کے قریب لے گیا۔ حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت (کی آواز) سنی۔ آپ ادھر ادھر نہیں دیکھ رہے تھے۔ اور ابو بکرؓ ادھر ادھر بہت دیکھ رہے تھے کہ میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں اس کے اوپر سے گر پڑا۔ میں نے اپنے گھوڑے کو لٹکایا۔ جب وہ (بڑی مشکل سے) سیدھا کھڑا ہوا۔ تو اس کے اگلے پاؤں کی وجہ سے ایک غبار اٹھ کر دھوئیں کی طرح آسمان تک چڑھنے لگا۔ پھر میں نے تیروں سے فال نکالی تو اس میں میری ناپسندیدہ بات نکلی۔ پھر میں نے ان حضرات کو امان طلب کرتے ہوئے پکارا۔ تو یہ بٹھہر گئے۔ میں سوار ہو کر ان کے پاس آیا۔ تو ان تک پہنچنے میں مجھے جو مواقع پیش آئے ان کے پیش نظر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین غالب ہو جائے گا۔ تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری یا قتل کے سلسلہ میں سواؤنٹ انعام کے مقدر کئے ہیں۔ اور میں نے انہیں وہ تمام خبریں بتا دیں جو لوگوں کا ان کے ساتھ ارادہ تھا۔ اور میں نے ان کے سامنے کھانا اور سامان پیش کیا لیکن انہوں نے کچھ نہ لیا۔ اور نہ مجھ سے کچھ مانگا۔ صبر سے کہا ہمارا حال چھپانا۔ پھر میں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے ایک امن کی تحریر لکھ دیں۔ آپ نے عامر بن نبیرہ کو حکم دیا۔ انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر لکھ دی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات زبیر سے ہوئی جو مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ میں شام سے آ رہے تھے۔ تو زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہننے کے لئے سفید کپڑے دیئے۔ ادھر مدینہ کے مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگر سے نکل آنے کی خبر سُن لی

تھی۔ تو وہ روزِ رات صبح کو (مقام) حرہ تک (آپ کے استقبال کے لئے) آتے اور آپ کا انتظار کرتے رہتے یہاں تک کہ دوپہر کی گری کی وجہ سے واپس چلے جاتے۔ ایک دن وہ طویل انتظار کے بعد واپس چلے گئے اور جب اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔ تو اتفاق سے ایک یہودی اپنی کسی چیز کو دیکھنے کے لئے مدینہ کے کسی ٹبلہ پر چڑھا۔ بس اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو سفید کپڑوں میں ملبوس دیکھا۔ کہ سراب ان سے چھپ گیا ہے۔ تو وہ یہودی بے اختیار بلند آواز سے پکارا کہ اے گروہ عرب! یہ ہے تمہارا نصیب مقصود جس کا تم انتظار کرتے تھے۔ یہ سنستے ہی مسلمان اپنے اپنے بھیاں لے کر اٹھ گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حرہ کے پیچھے استقبال کیا۔ آپ نے ان سب کے ساتھ داہنی طرف کا راستہ اختیار کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے ماہِ ربیع الاول پیر کے دن بنی عمرو بن عوف میں قیام فرمایا۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہے۔ جن انصاریوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا تو وہ آتے تو حضرت ابوبکرؓ کو سلام کرتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آگئی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنی چادر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر دیا۔ اس وقت ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف میں دس دن سے بچھ اور مقیم رہے۔ اور یہیں اس مسجد کی بنیاد ڈالی جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چلے۔ لوگ آپ کے ساتھ چل رہے تھے یہاں تک کہ وہ اونٹنی مدینہ میں (جہاں اب) مسجد نبوی ہے) (اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اور وہاں اس وقت کچھ مسلمان نماز پڑھتے تھے اور وہ زمین دویتم بچوں کی تھی جو اسعد بن زرارہؓ کی تربیت میں تھے۔ جن کا نام سہیل و سہیل تھا۔ ان کی بھجوریں

کا کھلیان تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ملنی بیٹھ گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انشا اللہ یہی ہمارا مقام ہو گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور اس جگہ مسجد بنانے کے لئے آپ نے اس کھلیان کی ان سے قیمت معلوم کی تو انہوں نے کہا (مہم قیمت) نہیں (لیں گے) بلکہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر زمین آپ کو مہرب کرتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ مسجد کی بنیاد ڈالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کے ساتھ اس کی تعمیر میں اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے یہ بوجھ اٹھانا اسے ہمارے رب بڑا نیک اور پاکیزہ کام ہے۔ اور آپ فرما رہے تھے اے خدا تو اب صفت آخرت کا ہے۔ انصار اور یہاں جرین پر رحم فرما پھر آپ نے کسی سلمان شاعر کا شعر پڑھا جس کا نام مجھے نہیں بتایا گیا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ احادیث میں ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کے سوا کسی اور شعر کو پورا پڑھا ہو۔

(صحیح بخاری - جلد دوم - کتاب الانبیاء - حدیث ۱۰۸۷، صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۲)

صالحہ ام مطہرہ محمد سعید اینڈ سنز - قرآن محل - کراچی

صحیح بخاری کی یہ منقولہ روایت امام بخاری کی قلم کاری کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ ورنہ محقق امر یہ ہے کہ محدثین و مورخین اہل سنت کے طباعیوں کا مکمل دفتر حسن کے مواد و اجزاء کی ترتیب و تدوین تو حکومت قلاترہی کے دور میں شروع ہو گئی تھی مگر عہد بنی امیہ میں فرامین شاہی کے ذریعے ان موضوعات کے طواری کو بزورِ طاقت و لالچ اصل عقائد میں سمودیا گیا۔ اور آئندہ سلاطین نے اس تدبیر کو استحکام حکومت کا لازمی ذریعہ قرار دیا۔ ان موضوعات کی تشہیر کو اس محکم انداز میں جاری رکھا کہ یہ مصنوعات حقیقی روایات پر صحت سے گئیں۔ لیکن باوجود اس اہتمام و انتظام کے حقیقت کو مٹایا نہ

۵۴

جاسکا۔ چونکہ ہمیں ان مرویات پر تنقید کی عادت ہو چکی ہے لہذا انکشافِ حقیقت کے لئے بخاری شریف سے پوری روایت کو نقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

صحیح بخاری کے مطالعہ یافتہ قارئین پر یہ بات ضرور واضح ہوگی کہ امام بخاری صاحب اختصار پسند محدث ہیں۔ لیکن یہ روایت خلافِ عادت انہوں نے خوب پھیل کر رقم فرمائی ہے۔ اور مختصر نووی پر طویل الرقی کو پسند فرمنا ایک اتفاقیہ بات نہیں ہے بلکہ وہی ضرورتِ خاص ہے جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ اور اس بات کو خود علماء اہل سنت نے بھی تاثر دیا ہے چنانچہ مولوی شبلی نعمانی جیسے مفسر العلماء بزرگ گشتی نے اسے خصوصاً عسوس کیا ہے۔ شبلی کے نزدیک کم عمری اور عدم صلاحیت مانع روایت بنتی کیونکہ انہوں نے واقعہ قرآن کا انکار محض عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی کم سنی کے باعث کیا ہے حالانکہ وہ پندرہ برس کے نوجوان تھے۔ لہذا اس روایت کی راوی بی بی عائشہ کی صرف چھ سال عمر ان کو روایت کرنے سے نااہل قرار نہ دے سکی۔ بلکہ اپنی ساکھ اور بات رکھنے کے لئے خیال کر لیا کہ انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ اور حضرت ابوبکر سے سنا ہوگا یعنی احتمال ہے یقین نہیں۔ پھر یہ رُخ بھی دیکھا ہوگا کہ معاملہ مذکور میں اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قبول نہ کی گئی مگر یہاں وہ کلیہ کیوں نظر انداز کر دیا گیا؟ اصولِ تنقید کے مطابق اور مختار سلاط اہل سنت کے تحت تو حضرت عائشہ کی وہ تمام روایات ناقابلِ اعتبار ٹھہرتی ہیں، جو انہوں نے اپنے والد صاحب کے حق میں روایت کی ہیں۔ مگر یہ کلیے تو محض مسئلہ وضع کئے گئے ہیں تاکہ اخفاً فضائل آل محمد ہو سکے۔ اپنے ہاں کسی بھی معاملے میں اس لحاظ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اکثریت بھی آخر کو نی چیز ہوتی ہے۔ اور اجماع بھی کوئی معمولی شے نہیں جسے آسانی سے قطع نظر کیا جاسکے۔ ہم نے تو صحت بخاری ہی پر اکتفا کیا ہے اگر لغویات طبرانی، دیلمی

سہیلی اور سہوادی کے طومار کا انبار نکھا جائے تو اہل بیلی کی ایک نئی کہانی بن سکتی ہے۔ المختصر ایک طالب علم جب محبت کی حقیقت و ضرورت پر غور کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ "وقت و وقوع محبت حالات ایسے تھے کہ کفار قریش کی مخالفت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ انہوں نے قتل رسولؐ کا منصوبہ بنالیا تھا۔ اور خدا کو اپنے رسولؐ کی رازدارانہ حفاظت منظور تھی۔" ان علل و اسباب پر جب نظر غائر طواری جائے تو تجارتی صاحب کی مریات بالکل خلاف مصلحت دکھائی دیتی ہیں۔

اولاً جب ہم یہ روایت پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ
حجرت کا بیان نہیں بلکہ حضرت ابوبکر کی صدیقیت، صحابیت، حمایت و رفاقت
خدمات اور رسولؐ پر اُن کے احسانات کے رنگارنگ مرفعوں کا خوبصورت
و دلکش الجم تیار کیا گیا ہے۔ جب اس طلسمی موقع میں نبی اکرمؐ کے پیکر نورانی
کی زیارت کی جاتی ہے تو اس پر حضرت ابوبکر کے احسانات کی زیریاری اور
اُن کی مشورۃ و ہدایت کی متابعت کا رنگ ایک طشرا فضائے راز خداوندی
اور مصطفیتِ وقتی سے خلوات و رزئی کا نمونہ دکھائی دیتا ہے تو دوسری طشرا
فضائل و مناقب ابوبکرؓ کی مضمون آفرینی نے نفسِ مضمون کو اتنا دبا دیا ہے کہ
تاریخ اسلام کے اس عظیم الشان واقعہ کی اپنی حقیقت ہی باقی نہیں رہتی ہے۔
اس روایت کے بیان کے مطابق حجرت عین دوپہر کے وقت ہوئی جیسا کہ
عائشہ فرماتی ہیں کہ ”ہم ابوبکر کے مکان میں ٹھیک دوپہر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ
ایک کمنے والے نے ابوبکر سے کہا۔۔۔۔۔ الخ بحالاکم یہ بات صریحاً خلاف واقعہ
ہے کیونکہ حجرت رات کے وقت ہوئی۔ اور انحضرتؐ رات ہی کو حضرت علیؑ
کو اپنے بستر پر لٹا کر گھر سے باہر نشر لیٹ لائے۔

واقعہ شبِ محبت درحقیقت ایک ستر عظیم تھا۔ اس سے قبل عقبہ کی دونوں بیعتیں بڑی رازداری سے منعقد ہو چکی تھیں۔ اور محبت ان کے دو ماہ بعد ہوئی۔

حس رسولؐ نے انصارِ مدینہ کی حمایت و وسعت کو صیغہ راز میں رکھا اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ بحث جیسے رازِ الہی کو افشا کر دیتا۔ جبکہ کفار کی مخالفت شدید ترین تھی۔

ابن حجر عسقلانی کی رائے | اس روایت کے مطابق آنحضرتؐ رد و بیہر کے وقت حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف

لائے اور ان کو آگاہ کیا کہ مجھے بحث کا حکم ہو گیا ہے۔ چنانچہ ابو بکرؓ کو ساقی بنانا منظور کیا اور اسی وقت تیاری کر کے روانہ ہوئے۔ یہ بیان اس قدر خلافت واقعہ ہے کہ خود علماء اہل سنت مجبور ہو گئے ہیں کہ اس کی تردید کریں۔ چنانچہ شارح صحیح بخاری مشہور علامہ اہل سنت ابن حجر عسقلانی نے اعتراف کیا ہے کہ یہ واقعہ قطعاً ساقط الاعتبار ہے۔ امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ، ”ابن عباسؓ کی دوسری روایت زیادہ مناسب واقعہ ہے۔ اس مقام

سے جس کو حضرت امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے عمودِ میمون سے روایت کی ہے کہ بعد تشریف برسی جناب رسول خدا صلعمؐ مشکیں حضرت علیؓ پر پھیر برسا رہے تھے یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ صلعمؐ بیٹے ہوتے ہیں کہ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آئے اور حضرت علیؓ کو آنحضرتؐ سمجھ کر کھایا رسول اللہ تو حضرت علیؓ نے فرمایا رسول خدا صلعمؐ تو میرے میمون کی لٹ تشریف لے گئے تم بھی جا کر مل جاؤ۔ ابو بکرؓ ادھر روانہ ہوئے۔ اور حضرت کے ساتھ داخل غار ہوئے۔ الحدیث اور اصل اس کی تردید اور نسائی میں ہے۔“

(فتح الباری شرح صحیح البخاری)

اب خود شارح بخاری کے اعتراف سے معلوم ہو گیا کہ نہ ہی حضرت رسول کریمؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو کسی قسم کی کوئی اطلاع دی اور نہ ہی ان سے کوئی صلاح و مشورت کی تھی۔ کیونکہ دفعۃً حکمِ حجت نازل ہونے کے بعد آپؐ کو ان امور کی فرصت ہی نہ تھی۔ جیسا کہ آئندہ ہم تحریر کریں گے۔ کہ

ہجرت کا حکم ملتے ہی حضور غار کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت
کے تشریف لے جانے کے بعد حسب معمول آئے اور جناب امیرؓ کو بستر رسولؐ
پر سبز چادر اوڑھے پایا۔ لہذا رسولؐ سمجھ کر "یا رسول اللہؐ پکارا۔ جناب امیرؓ
نے غلط فہمی کو دور کیا۔ اور بتایا کہ میری بیوی کی طرف گئے ہیں۔ اس سے صاف
ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس نقل و حرکت رسولؐ سے قطعاً بے اطلاع
و بے خبر تھے۔ لہذا وہ تمام قصص جن میں آنحضرتؐ کا حضرت ابوبکرؓ کے گھر
جا کر مشورہ کرنا وارد ہوا ہے صریحاً کذب ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن حجر نے یہ روایت بطریق منقولہ لکھی ہے جیسا کہ
کچھ سنی علماء نے اعتراض کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ ابن حجر نے اس روایت کو
امام احمد بن حنبلؒ اور امام حاکم کے اسناد سے لکھا ہے۔ دونوں اماموں نے
اس واقعہ کو مختصراً درج کیا ہے اور اصل اس کی صحاح ستہ میں سے دو صحیح
کتب ہیں یعنی صحیح ترمذی اور نسائی۔ اس لحاظ سے یہ حدیث پانچ حلیل القدر
محدثین کی مصدقہ ثابت ہے اور اس کی چھٹی سند حسب ذیل عبارت میں ملاحظہ
فرمائیے۔

ابن مردویہ اور ابونعیم نے دلائل النبوة میں لکھا
ہے کہ جب رسول اللہؐ شب کو مکان سے باہر نکلے

اور قریب غار پہنچے تو آپ کے پیچھے ابوبکرؓ بھی آ رہے تھے۔ حضرتؐ نے جب ان
کی آہٹ سنی تو خوف ہوا کہ کوئی پکڑنے والا نہ ہو۔ ابوبکرؓ نے کھڑا ہوا تو آنحضرتؐ
نے آواز سے پہچانا اور کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ دونوں وہاں سے ساتھ ہو
گئے۔ اور پھر اسی طرح غار تک پہنچے۔ (درمشورہ ج ۳ صفحہ ۱۴ سیوطی)

علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے بیان کردہ اس روایت بخاری
کی نقلی کھول دی اور بتلادیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی شرکت یا رفاقت حضورؐ کو
اجازت و مرضی کے خلاف تھی۔ ورنہ آہٹ سنی کر تعاقب کرنے والے کا گناہ

پیرانہ ہوتا۔ الہی لاعلمی کہ ضرورت معلوم کے لئے وقت موعودہ پر حضرت ابوبکر کو آتے ہوئے دیکھ کر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان سکے، ثابت کرتی ہے کہ ہجرت کے متعلق حضرت ابوبکر سے کسی قسم کا کوئی مشورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ لیا۔ بلکہ امر ملتے ہی فوری طور پر روانہ ہو گئے۔ علامہ سیوطی اس سلسلے میں ایک اور روایت نقل کرتے ہیں کہ :

یہی شی نے الدلائل اور ابن عساکر نے حلیہ میں

حضرت عمرؓ کی گواہی

محض العسری سے روایت کی ہے کہ ہم نے حضرت عمرؓ کو خطاب سے کہا کیا آپؓ ابوبکرؓ سے بہتر ہیں؟ تو حضرت عمرؓ رونے لگے۔ اور کہنے لگے قسم خدا کی ابوبکرؓ کی ایک رات اور ایک دن بہتر ہے عمرؓ سے۔ رات تو وہ کہ جس شب کو حضرت مکہ سے روانہ ہوئے ہیں تو ابوبکرؓ نے تعاقب کیا اور کبھی آگے ہو جاتے تھے اور کبھی آپ کے پیچھے چلنے لگتے تھے کبھی داہنی طرف چلتے اور کبھی بائیں طرف ہو جاتے تھے۔ (تفسیر و منشور جلد ۲ ص ۲۱۱)

اب تو حضرت عمر بن خطابؓ نے بخاری والی مشورت اور انتظام و بندوبست سفر وغیرہ کی تمام پیش بند یوں پر خاک ڈال کر حضرت ابوبکرؓ کا تعاقب کرنا تسلیم کیا ہے۔ احادیث و تفاسیر کے بعد اب تاریخی ثبوت پیش خدمت ہے۔ اور اس تاریخ سے کہ جو اُم القوا ریخ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور حضرت رسول خداؐ

تاریخ طبری

صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ حضرت علیؓ نے کہا حضرت فاروقؓ کی طرف تشریف لے گئے۔ اگر تم کو کچھ مطلب ہو تو جا کر آپؐ سے مل جاؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نہایت سرعت سے اُدھر چلے۔ حضرت کو ان کے آنے کی آہٹ ہوئی۔ تو آپؐ نے ان کو کوئی مشرک تعاقب کنندہ خیال کیا۔ اور اس وجہ سے آپؐ دوڑ کر پھرنے لگے۔ یہاں تک کہ نعلین مبارک کے آگے والا بند ٹوٹ

گیا۔ اور حضرتؓ کا انگوٹھا شکافتہ ہو گیا۔ جس سے بہت سانحہ ہوا مگر پھر بھی آپ دڑتے جاتے تھے۔ تب ابوبکرؓ کو خوف ہوا کہ حضرتؓ کو اس سے بھی زیادہ تکلیف و مصیبت پہنچے۔ تو ابوبکرؓ نے اپنی آواز بلند کی تو حضورؐ ان کو پہچان کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ابوبکرؓ بھی آگئے اور ساتھ ساتھ چلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سے خون جاری تھا یہاں تک کہ صبح ہوتے تک غارتک پہنچے۔ (تاریخ طبری جلد ۲، ص ۲۲۲ مطبوعہ مصر)

عقلی تربیت | اصلی واقعہ تو یہ ہے جس کی صورت تبدیل کر کے خود ساختہ حکایات و خرافات کے رنگین نقاب چڑھائے گئے اور انہی رنگ آمیزیوں کی وجہ سے کتب سیرۂ صحیح بخاری کو تزئین دی گئی۔ بخاری صاحب کو حقائق کی حفاظت سے کیا غرض ہو سکتی تھی۔ انہیں تو استحکام عقائد منظور تھا۔ بہر حال ہم نے احادیث کی صحیح کتب اور تاریخوں کی مال سے شواہد پیش کئے جس سے ہر شخص باسانی اصل حقیقت معلوم کر سکتا ہے۔ یہ معروضات نقلاً ہدیہ قارئین کئے گئے۔ اب عقلی گزارش سماعت فرمائیے۔

کوئی بھی صاحب عقل سلیم انسان یہ یقین نہیں کر سکتا ہے کہ ایسے اڑے وقت میں جبکہ حضورؐ پر کفار نے عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا اور آپؐ کے قتل کے لئے پانچ قبائل سے میرحتم قاتل منتخب ہو چکے تھے۔ دولت کدہ کا محاصرہ کیا جا چکا تھا کہ حکم عبت رنازل ہوتا ہے۔ ایسے تنگ وقت پر خطر حالات میں رسول اللہؐ کو کہاں فرصت ہوگی کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جائیں اور وہاں مشورت فرمائیں۔ چنانچہ اب تنگی وقت کا ثبوت ملاحظہ کریں۔ ”جب کفار نے مشورہ کیا (قتل آنحضرتؐ کا) تو حضرت جبریلؑ نے آکر خبر دی کہ آج کی رات جہاں آپؐ سوتے ہیں وہاں رسویتی۔ کیونکہ خدا نے اسی وقت آپؐ کو مدینہ جانے کا حکم دیا ہے۔ اسی وقت آنحضرتؐ

۶۰

نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ ہماری خوابگاہ پر سو رہو۔ اور ہماری چادر
اوپر رکھو۔ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ پھر سرکار کوہاں سے باہر نکل آئے اور
ایک مٹھی خاک ان لوگوں پر ڈالی (جو بیت الشرف کا ٹھکانہ کئے ہوئے تھے)
خدا نے اُن کی بینائی معطل کر دی وہ آپؐ کو تشریف لے جاتے ہوئے نہ
دیکھ سکے۔ اور آنحضرتؐ اِیت انا جعلنا فی اعناقہم اغلالاً

لایبصرون تلاوت فرماتے ہوئے نکل گئے۔ (معالم التشریل)
یہ تفسیر ہی بیان ثابت کرتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے پاس گنجائش وقت ہرگز نہ تھی اور وقت نزول حکم جبت بظاہر آپؐ کو
اس کی خبر نہ تھی۔ لہذا یہ دفعۃً حکم کی مشاورت و صلاح و نیدولیت کا مقول
نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اِچھا اسی وقت علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر روانہ ہو جاتے
ہیں۔ پس لوگوں کی افسانہ تراشیں کو اس وقت کی حالت اضطراب اور
عالم انتشار حکم الہی کے فوری نزول اور اس کی فوری تعمیل کی مصلحت سے
کوئی ربط حاصل نہیں ہے۔ اب ہر صاحب صبح الدماغ اندازہ کر سکتا ہے
کہ جس امر عظیم کو مدبر قدرت نے اس استحقاق و رازداری سے پوشیدہ رکھا
ہو کہ وقت نزول حکم تک بظاہر اس کی اطلاع رسول امینؐ کو نہ کی ہو، اور
فوری تعمیل حکم کی تاکید فرمائی ہو وہ راز عظیم اس بے پرواہی و بے یاری اور
آزادی سے طشت از بام کیسے کیا جاسکتا ہے۔ پس یہ ملمع سازیاں اور افسانہ
نکاریاں صرف حضرت ابو بکرؓ کی مدح مرائی اور مرتبہ افزائی کی خاطر کی گئی ہیں
ورنہ ان موضوعات کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

سورہ انفال میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ،
”جس وقت کافر لوگ تم سے مکر کرتے تھے کہ تم کو قید کر لیں یا قتل کر
دیں یا خارج البلد کر دیں اور وہ مکر کرتے تھے اور خدا ان کے مکر کا جواب
دیتا تھا اور وہ بہتر جواب دینے والا ہے ماکرین کا“

کفار کے جواب مکر میں جب خیر الماکرین اس مجلّت و سرعت کے ساتھ اپنی حکمت و تدبیر کو عمل میں لا رہا ہے تو پھر اس وقت اتنی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے کہ حضور حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر صلاح مشورہ کریں۔ یا سامان سفر درست کریں۔ بلکہ تدبیر الہی کا مدعا تو اسی قدر تھا کہ بستر مبارک پر علیؓ کو سلا کر بیت اشرف سے جلد از جلد نکل جائیں اور آئندہ کے تمام معاملات کو اللہ کی تدبیر کے حوالہ فرمادیں۔ یہی شان رسالت تھی اور ایسا ہی ہوا عیسا کہ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے:

”حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کیا۔ کہ جو امانتیں حضورؐ کے پاس لوگوں کی تحقیق ان کو ادا کر دیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی صدق و امانت پر اعتبار کر کے لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھوا دیا کرتے تھے۔ اور مشرکین فرشتہ علیؓ کا پہرہ دے رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی نبی خدا ہیں۔ جب صبح ہوئی تو سب کفار اور متوجّہ ہوئے چادر اٹھائی تو دیکھا علیؓ ہے۔ پوچھا تمہارے صاحب کہاں گئے۔ فرمایا ہم نہیں جانتے تو سب لوگ حضرتؐ کا نشان لگاتے ہوئے چلے اور لوگوں کو حضرتؐ کی تلاش میں روانہ کیا۔“ (معالم التنزیل)

اب قرآن اور تفسیر دونوں کی عبارات آپ کے سامنے ہیں۔ ان کو روایت بخاری سے ملا کر دیکھئے تو صاف ظاہر ہو گا کہ اس واقعہ کے متعلق تفسیر قرآن کی عبارت مکر کفار کے جواب میں حضرت تدبیر الہی اور ایشاء علیؓ کے واقعات بیان کرتی ہے۔ جبکہ بخاری صاحب حضرتؓ ابوبکرؓ کے قصیدے سننا رہے ہیں۔ واقعہ کی حقیقت کو چھپائے جاتے ہیں اور تمام و کمال واقعات میں حضرت امیر علیہ السلام کی ان عظیم المثال اور فوق الکمال خدمات کا ذکر تک نہیں کرتے۔ کیا یہ عداوت حیدر کرارؐ نہیں تو اور کیا ہے؟

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں تحریر کرتے ہیں کہ ”جب

علی ابن ابی طالب شبِ بختِ فرشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوئے
تو حضرت جبریلؑ بغیر منیٰ محافظت آپ کے سر پر لے گئے اور میکائیلؑ پانچویں
جبریلؑ مذاکرے تھے۔ مبارک ہو! مبارک ہو! کون ہے مثل تیرے
اے فرزندِ ابو طالب! کہ خدا تیری ذات سے مباحثات کرتا ہے۔

فرشتوں پر پھر آیت ومن یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ نازل
ہوئی۔
(تفسیر کبیر)

اسی طرح امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ جناب امیرِ فرشتہ
پر سوئے تو خدا نے حضرت جبریلؑ اور میکائیلؑ پر وحی کی کہ ہم نے تم دونوں کو
بھائی بنایا اور ایک کی عمر کو دوسرے سے طولانی کیا۔ اب کون تم میں ایسا ہے
جو اپنی جان کو دوسرے پر فدا کرتا ہے۔ دونوں نے زندگی ہی کو پسند کیا۔ تو
پھر خدا نے وحی بھیجی کہ کیوں تم مثل علی بن ابی طالب کے نہیں بن جاتے کہ ہم
نے انہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مواخاتِ عالم کی تو آج علیؑ نے
اپنی جان کو اُن پر فدا کر دیا ہے۔ اور ان کی حیات کو اپنی حیات پر اختیار کر
لیا ہے۔ اب تم دونوں زمین کی طرف رجاء اور اُن کی حفاظت کرو۔ حضرت جبریلؑ
سرانے آکر کھڑے ہوئے اور میکائیلؑ پاؤں کی طرف آکر کھڑے ہوئے اور لپکارتے
تھے۔

کوئی شخص ہو سکتا ہے مثل تمہارے اے علی بن ابی طالب
کہ خداوندِ عالم تمہارے سبب فرشتوں پر مباحثات کرتا ہے۔ اور یہ
آیت نازل کی کہ آدمیوں میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو اپنی جان کو
رضائے الہی کے لئے بیچ ڈالتا ہے اور خدا نے تعالیٰ اپنے بندوں پر
مہربان ہے۔
(تاریخ الخمیس جلد اول ص ۲۹۷)

اس مقام پر ہمیں ذکر فضائل و مناقب جیڑیہ کا بیان مقصود نہیں بلکہ صرف قارئین کی توجہ اس ستم ظریفی کی جانب مبذول کرنا ہے کہ امام بخاری صاحب کیسے ایماندار اور دیانت دار محدث ہیں کہ جو واقعہ متواترات سے ہے یعنی حضرت علی کا فرش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سونا اور آیت ومن یشرب منی کا نازل ہونا اور جس پر تمام واقعہ عجبہ کا دار و مدار ہے اس کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور جو واقعہ قطعاً خلاف واقعہ ہے اور خاص آپ کا خود تراشیدہ ہے۔ اس کو اپنی صحیح میں مختلف رنگوں سے بھر دیا ہے۔ یہ خود غرضی، جانبداری اور طرفداری کی بدترین مثال ہے۔

روایت بخاری میں واقعہ سراقہ ابن شہاب سے

اسناد روایت

مروی ہے۔ جبکہ امام بخاری ابن شہاب کے وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ لہذا انہوں نے کسی طرح اُن سے سُن لیا۔ چنانچہ شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی نے شرح کرتے ہوئے اس اعتراض سے کتراتے ہوئے مجبوراً لکھ دیا ہے کہ اوپر بیان کردہ اسناد ہی اس واقعہ کے لئے سمجھ لی جائیں۔ لیکن یہ جواب قطعاً بے دلیل ہے۔ پس یہ روایت منقطع ہے۔ اس لئے اسناد کے اعتبار سے بے مقدار قرار پاتی ہے۔

نقص سند کے بعد اب ایک اور خیانت ملاحظہ کریں۔ مترجم صحیح بخاری مذکورہ کی ہوشیاری و چالاکی دیکھئے کہ عربی عبارت "انما هلك" کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "یہاں تو صرف آپ کی گھڑی ہوں" جو قطعاً غلط ہے۔ حالانکہ قدیم مترجمین نے اس کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ "سب آپ کے اہل میں" اب چونکہ یہ بات خلاف واقعہ تھی اس لئے کہ حضرت عائشہ سے تو نکاح ہو گیا تھا وہ زوجہ کی تعریف کے اندر آچکی تھیں مگر اسماء بنت ابوبکر اہل میں کس طرح داخل ہو سکتی ہیں۔ لہذا بخاری کی غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے صیغہ جمع کا ترجمہ واحد صیغہ میں کر دیا گیا ہے۔ جبکہ دراصل

حضرت ابوبکر کے خطاب سے بخاری کا نقل کردہ جواب زیادہ تعجب انگیز ہے۔ حالانکہ علماء محدثین کے دیگر اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے کبھی ان الفاظ میں آپ کو جواب ہی نہیں دیا۔ یہ امام بخاری کی حضرت ابوبکر کی زائد از ضرورت مدح سرائی ہے جس نے مدوح کی عظمت کو بڑھایا نہیں بلکہ گھٹایا ہے۔ جبکہ روایات ہشام ابن عروہ وغیرہ میں حضرت ابوبکر کے الفاظ یہ ہیں۔ "وَحَمَّا ابْنَانِي" میری دونوں بیٹیاں ہیں جو ہر طریقہ و قرینہ سے بالکل مناسب جواب تھا۔ کہ تہذیب شرافت اسی جواب میں جھجکتی ہے۔ ہشام بن عروہ اور دیگر راویان حدیث کی حدیثیں پھر بھی روایت بخاری سے معقول نظر آتی ہیں جبکہ بخاری کی قلم کاریاں حضرت حضرت ابوبکر کی رخصت اور حقیقت عائشہ کی خصوصیت کے اظہار پر مبنی ہیں لیکن افسوس کہ وہ بھی پوری نہ ہو سکیں۔ اُن کے جادو کو دوسرے راویوں نے زائل کر دیا۔

اوثنیوں کا قصہ روایت میں مذکور ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میری ایک اونٹنی آپ لے لیجئے۔ یہ ذکر کسی منقبت کا حامل نہ تھا کہ بقول بخاری حضورؐ نے قیمتا اوثنی قبول کی تاہم اس کو علمائے اہل سنت نے بڑی شد و مد سے ذکر کیا ہے لیکن شارح بخاری جناب ابن حجر عسقلانی نے اس پر ہاشیر لکھا ہے کہ ابن اسحاق نے مزید کہا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہم اس اونٹنی پر سوار نہ ہوں گے جو ہمارا مال نہ ہو۔ ابوبکر نے کہا وہ تو آپ ہی کا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا بشرطیکہ وہ قیمت لے لو جس مول پر تم نے خریدا ہے۔ ابوبکر نے کہا ہم نے اس قیمت پر لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا ہم نے اس دام پر لیا۔ اسی طرح طبرانی نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہم صرف قیمت میں لے سکتے ہیں تو ابوبکر نے کہا اگر چاہے تو قیمت ادا کر دیجئے۔ اسی طرح واقدی نے کہا ہے کہ قیمت آٹھ سو دینار ہوئے اور یہ وہی اونٹنی ہے جس کا نام قصویٰ ہے۔ لیکن

ابن اسحاق کے مطابق یہ واقعہ جذا حقیقی۔ ابن حبان نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں۔

”حضرت ابوبکر کے دواؤں کے تھے جن کو انہوں نے چار سو درہم یا دوسری روایت کے مطابق آٹھ سو درہم پر خرید لیا تھا۔ اور چار مہینوں تک چارہ وغیرہ کھلا کر خوب تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس موقع پر دونوں کو حضورؐ کی حدت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا میں انہیں قیمت دے کر البتہ قبول کر سکتا ہوں۔ پس نو سو درہم پر آپؐ حضرت صلعم نے ان کو حضرت ابوبکرؓ سے خرید لیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ سے باوجود ان کی سوجنیت و اعتماد اور سابقہ اتحاد اتفاق اموال وغیرہ بلا قیمت نہیں لیا۔ خرید لینے میں حکمت یہ تھی کہ آنحضرتؐ صلعم نہیں چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں کسی کی مدد اور تعاون قبول کریں چنانچہ آیہ لا تشرک لعلبادۃ ما بہا احد الیعنی اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو اپنا شریک نہ بناؤ۔ میں اس کی طرف خاص اشارہ موجود تھے۔

(مدارج النبوة جلد ۱ ص ۷۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب کی اس عبارت سے اس واقعہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ”شرکت فی العبادۃ“ میں انتہائی احتیاط ثابت ہوتی ہے۔ لہذا اب ایک طرف قرآنی آیت اور شاہ عبدالحق صاحب کا بیان ملاحظہ کریں تو دوسری طرف بخاری کی روایت جس میں امام بخاری نے حضرت ابوبکرؓ کی ان امورِ عبادت میں شرکت کے لئے اڑی چوٹی کا زور صرف فرمایا ہے۔ پس چونکہ آنحضرتؐ جملہ شعبہ ہائے شرک سے حتیٰ طور پر محفوظ ہیں، لہذا اس مسئلہ اصول کے خلاف آپؐ نے واقعہ حجت میں اس کا خصوصی خرم قائم رکھا اور کسی کو خلافِ ایت اپنا شریک کا نہ بنایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ بخاری صاحب کی روایت میں ایک امر مفید بھی مل گیا ہے جس سے ہمیشہ تکلیف آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابوبکرؓ کے بارِ احسان سے سبکدوشی

حاصل ہو گئی۔ اگر بخدا صاحب اپنی عقیدہ بخدای میں ادائے قیمت والی شرط بھی گول کر جاتے تو ان کا کیا بکار اچھا سکتا تھا۔ لیکن اتفاقاً ان کا صاف الفاظ میں یہ شرط سپردِ قلم کر جانا میرے جیسے طالب علموں کے لئے احسان ہے۔ اُن کے اس انداز سے کم از کم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استغناء، توکل، صبر و رضا جیسے اوصاف رسالت ضرورتاً ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور شانِ نبوت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپؐ نے عالم مصیبت و غربت میں ایسے یاری و مددگار کی حالت میں بے ساز و سامانی کی کیفیت میں بھی یہ گوارہ نہ فرمایا کہ کسی کی اونٹنی بلا قیمت یا مستغفار حاصل کر کے راہِ خدا کا راستہ دو قدم بھی ملے کیا جائے۔

جس رسولؐ نے اپنے چچا ابوطالبؓ کا بار احسان اُن کے فرزند علیؓ علیہ السلام کی پرورش کر کے باقی نہ رکھا حالانکہ بعد از والدِ میر بات چچا کے فرائض میں شامل تھی۔ بھلا وہ کیسے کسی ایسے شخص کا احسان قبول کرتا جس کی کوئی امتیازی حیثیت نہ تھی۔ وہی برحق جس نے ایک گزیر کا احسان جو آپؐ کے چچا عباسؓ کے ساتھ کیا گیا تھا کو اپنے ذمہ باقی نہ رکھا اور اس شخص کو اپنا پیر بن کفن کے طور پر دیدیا۔ وہ خدا کے خاص کام کے متعلق کسی غیر ممبر شخص کا احسان کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ بہر حال شاہ عبداللہ محقق محدث جیسے کلمہ فنی عالم و فاضل کو اس بات کا اقرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہ چاہا کہ راہِ خدا میں کسی کی امداد و اعانت کو قبول کریں۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ سے بلا قیمت ناقہ نہ لی۔ تو اس سے یہ بات از خود ثابت ہو گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطیب خاطر حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ نہ لیا کیونکہ ساتھ لے کر کسی کو غار میں جانا کاششک بعبادتِ سر بہ احد کا منافی ہے اس لئے کہ یہ تو ایسا شرک ہے جو ان الشریک لا یخفف کا مترادف ہے کیونکہ جس امر کو خداوند عالم نے ایسے راز میں رکھا کہ سوائے رسولؐ کے اور اس کو بھی عین وقت پر

اور کسی کو اس سے آگاہ نہ کیا اس کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ امین رسالت رسولؐ نے اس ستر الہی کو یوں فاش کر دیا ہوگا۔ پس جب اونٹ بلا قیمت قبول کرنا منافی "الشک لبعادة ربہ احد" سمجھا گیا تو اسی راہ خدا کے پروگرام میں کسی دوسرے کو بلا قصد و ارادہ ساتھ لینا جرتوجہ اور استغراق الی اللہ میں نخل ہونے کا سبب بنتا ہے۔ بالکل قرآنی آیت کے مخالف اور منافی حقیقت ہے جس سے ذات رسولؐ مبرا ہے۔

روایتی لحاظ سے بھی بخاری صاحب کا درج کردہ یہ اونٹوں کا قصہ غیر مستند ہے کہ روایت کے اس حیلے "وعلف ما احلین کانتا عندہ وفاق السمرة وهو الخبط المبعث اشھر" یعنی حضرت ابو بکرؓ نے ان دونوں اونٹنیوں کو چار ماہ تک کبکڑے پتے کھلائے "پر بخاری کے معتمد خاص اور شارح مشہور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اعتراضات کئے ہیں پہلا یہ کہ "ونى سمرة" کی شرح امام زہریؒ نے کی ہے جسے امام بخاری نے جزو روایت بنالیا حالانکہ یہ زہریؒ کا قول ہے نہ کہ ابی حاتم یا عروہ کا جو کہ راوی ہیں۔ دوسرا اعتراض ابن حجر یہ کرتے ہیں کہ چار مہینے مدت جو میان کی گئی ہے صحیح نہیں کیونکہ عقبہ ثانیہ اور عبیدہ آنحضرتؐ صلعم میں دو ماہ یا ایک ماہ کا فرق ہے۔ یہ چار مہینے کہاں سے آگئے۔

اسی طرح یہ اونٹوں کی سودا بازی بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ہم نے امیر شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی عبارت مدارج النبوة سے نقل کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے ان دونوں اونٹوں کی اصل قیمت خرید چار سو درہم یا آٹھ سو درہم تھی۔ اور حضورؐ نے صرف ایک ناقہ نو سو درہم میں خرید فرمایا۔ یعنی اگر وہ دو سو کا تھا حضرت ابو بکرؓ نے جو گنی قیمت سے بھی زیادہ مول لیا اور اگر چار سو قیمت خرید تھی تو قیمت فروخت دگنی سے بھی زیادہ ہوئی۔ اب اگر بالفرض حال یہ سمجھ لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے دونوں ناقوں کو خرید فرمایا تو بھی ایک سو درہم

زیادہ ادا کیا۔ کیا کسی ہمدرد دوست کی محبت و دوستی کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ وہ وقت آزمائشِ مساعیتِ معیشت میں رعایت و مروت کی بجائے مالی منفعت کی سودا بازی کرے۔ غالباً ایسا حسنِ رفاقت اپنی نظیر نہیں رکھتا ہے۔

اونٹنیوں کی یہ سودا بازی ہی اس روایت کی تمام نقاشی کو ایک قلمِ محکومیت ہے کہ اگر رسولِ کریمؐ نے قصداً حضرت ابوبکرؓ کو اپنا ہم سفر بنایا ہوتا تو یہ سودا بازی عین وقت پر ہرگز نہ کی جاتی۔ جبکہ روایت کے اعتبار سے چار ماہ قبل یہ اونٹنیاں صرت اسی مقصد کے لئے حاصل کی گئیں تھیں۔ جب بڑے شدہ پروگرام تھا تو بھر مٹکی وقت کے باوجود عین وقتِ غصہ و خروش کیسے منعقد ہوئی۔ اونٹنیوں کا یہ سودا اثابت نہ لے رہا ہے کہ بخاری کی افسانہ تراشی کو حقیقت سے کوئی ربط حاصل نہیں ہے چنانچہ امام حافظ جمال الدین سیوطی صاحبِ امام بخاری کی تمناؤں کا خون اس طرح کرتے ہیں:-

”حسنو اکرم اور ابوبکرؓ تین دن تک غار میں ٹھہرے۔ اور عامر بن فہیرہ اُن کے لئے کھانا لاتا۔ اور علیؓ (اس کھانے کا) اس کا بند و بست کرتے رہے۔ پس علیؓ نے تین اونٹ بکریں کے اونٹوں میں سے خریدے۔ ایک راہ نما کو اجازت میں دیا جب تیسری رات کا بچھ حصہ گذرا تو حضرت علیؓ اور ابوبکرؓ کو ساتھ لاتے۔ ایک اونٹ پر رسول اللہ صلم اور ایک اونٹ پر ابوبکرؓ سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔“ (تفسیر و منشور جلد ۲ ص ۲۴ مطبوعہ مصر)

پردہ چاک ہوتا ہے علامہ سیوطی نے بخاری کی موضوعات و مصنوعات پر سے پردہ اٹھا دیا اور حقیقت کھول دی کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل از ہجرت ہی حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ نہ کوئی مشورت ہوئی نہ ہی اونٹوں کا کوئی سودا منعقد ہوا۔ نہ ہی حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے اُن کی وخت کے آزار بند سے کوئی سامان سفر باندھا گیا۔ نہ ہی کوئی رہنما مقرر کیا گیا۔ اور نہ ہی قصداً حضرت ابوبکرؓ کو رفیقِ سفر بنایا گیا۔ بلکہ تمام ضروریات سفر کا

انتظام اُسی نفس فروش کے سپرد کیا گیا جس نے رات کو اپنی جان بیچ کر مضرات خدا خرید لی تھیں۔ اور جو خدا کی راہ میں رازدار قدرت ثابت ہو چکا تھا۔ اور جس کی امانت و حمایت میں حضورؐ کی جان اس کے استحقاق کی اصلی ترکیب اور جہت کارا ز سپرد کیا گیا تھا۔ اور اُسی نے یہ تمام مضرات و انتظامات کئے۔ اور یہ کام بطلانِ حکم پیغمبرؐ پر کیا گیا جیسا کہ امام طبری لکھتے ہیں کہ :-

”جب آنحضرتؐ مکر فار کی جانب روانہ ہوئے تو حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ ہم کو کھانا بھیجا کرنا۔ اور ایک راہنما کو اُجستہ پر مقرر کرنا جو مجھے مدینہ کی راہ پر لے جائے۔ اور ایک سواری ہمارے لئے خرید لینا۔ یہ ہدایت فرما کر آپؐ روانہ ہو گئے اور اللہ نے کافروں کو اندھا کر دیا۔

(تاریخ طبری جلد دوم ص ۱۲۴ مطبوعہ مصر)

طبری کے بیان سے معاویہؓ ہی فرمان اور تعمیل بخاری کی تمام کارستانی کا بھید طلشت انہام کر دیا ہے۔

بخاری نے جو واقعہ سراقہ کا بیان کیا ہے۔ کتب تواریخ و سیر میں اس کی حقیقت مشاہدہ کرامت تک ہے کسی مورخ قدیم نے حضرت ابوبکرؓ کی گرفتاری کے بارے میں مجھے نہیں لکھا ہے۔ مگر حضورؐ کے ساتھ ابوبکرؓ کی گرفتاری کو مشہور کرنا محض حضرت ابوبکرؓ کی اہمیت افزائی کے لئے بخاری کے لئے ضروری ہوا۔ لیکن اس کہانی میں ایک بات بڑے کام کی ہے کہ ”عالم پریشانی میں بھی سامان تحریر ساتھ رکھتا تھا“ اسی طرح عامر بن نھیرہؓ کا ایسے اضطراری حالات میں جبکہ لباس بھی جسم پر بھاری معلوم ہوتا ہے۔ قلم و دوات ساتھ رکھنا اور امن کا معاہدہ تحریر کرنا بھی قابلِ غور امر ہے۔

عامر بن نھیرہؓ کون تھے | امام بخاری نے عامر بن نھیرہؓ کو صرف غلام ابوبکرؓ ظاہر کیا ہے۔ لیکن تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ غلامی کے علاوہ بھی عامرؓ کو حضرت ابوبکرؓ سے خاص تعلق تھا کہ ان کی والدہ حضرت

۷۔

ابو بکر کی مرتبہ زوجیت میں آگئی تھیں اور اس لحاظ سے علامہ حضرت ابو بکر کے مقبول بیٹے قرار پائے گئے تھے۔ چنانچہ امام طبری لکھتے ہیں کہ :-

عالم بن فہرہ اصلاً قبیلہ ازد کے آدمی تھے اور طفیل بن عبد اللہ بن سبغہ کے بیٹے تھے۔ ان کی کنیت ابو الحارث تھی۔ یہ حضرت عائشہ بنت ابوبکر اور عبد الرحمن بن ابوبکر کے بھائی تھے۔ کیونکہ ان کی ماں ایک تھی۔ جب سلمان ہوئے تو حضرت ابوبکر نے ان کو خرید فرمایا۔ پھر ان کو دیا۔ ان کا اسلام مستحسن شمار ہوتا ہے۔

(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۲۲۶ مطبوعہ مصر)

پس جب ہم صحیح بخاری کی مرویات کو ناقدانہ انداز سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت واقعہً درست کا بیان نہیں ہے بلکہ خاندان حضرت ابوبکر کا مندرجہ میں قصیدہ ہے۔ ہیئت کے تمام واقعات کو نظر انداز کر کے صرف حضرت ابوبکر کے لئے سرخاب کے پر تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تعجب ہے کہ نگہ اور مدینہ کے اس سفر میں آنحضرتؐ نے کم از کم سولہ منازل پر قیام فرمایا مگر بخاری نے ان کا ذکر تک کرنا مناسب خیال نہ کیا جو اصل مضمون سے بھرپور تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں ابن سعد نے اپنی طبقات میں ان منازل کے نام گنوائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :-

۱) خرر ۲) نینۃ المرۃ ۳) القفت ۴) مدلیجہ ۵) مرجح
۶) حیلاید ۷) اذاخر ۸) رابغ ۹) ذاسلم ۱۰) غثانہ
۱۱) ناخۃ ۱۲) عوج ۱۳) حدادت ۱۴) رکوبۃ ۱۵) عقیق
۱۶) جہشجاشہ۔

الغرض ہم اب موضوعات بخاری کے خمس و خاشاک کو مزید صاف کر کے کتاب کی صفات کو بڑھانا نہیں چاہتے اور نفس مضمون کو آگے بڑھاتے ہیں کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے ہمراہ غار ثور میں رات کے آخری حصہ میں داخل ہوئے۔ وہ تمام روایات جن میں آنحضرتؐ کے

خوفزدہ ہونے کا بیان ہے ہمارے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ وحی الہی کے ذریعہ حضورؐ کو حفظ جان کا یقین دلایا جاتا تھا۔ بہر حال آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار میں داخل ہوئے اور اپنے رب کی رفاقت و حمایت پر پورے اعتماد کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اُدھر خانہ رسولؐ کو محصور کئے ہوئے کفار بیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ایک دم خواب گاہ پیغمبرؐ پر ٹوٹ پڑے۔ اور اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے جونہی بستر پر سے چادر کو ہٹایا تو رسولؐ کی جگہ وصیؐ رسولؐ کی پائیا۔ کھسیانے ہو کر پوچھا تمہارے صاحب کہاں گئے؟ جواب ملا "اُدھر ہی" کیا تم میرے سپرد کر گئے تھے جو پوچھتے ہو؟ صحیح ناسی کے مطابق حضرت علیؓ پر تیر بھی چلائے گئے۔ اور طبری کا بیان ہے کہ یہ جواب سن کر وہ سیخ پا ہو گئے اور انہوں نے حضرت علیؓ کو گرفتار کر لیا۔ اور خانہ کعبہ میں کچھ دیر حراست میں رکھ کر چھوڑ دیا۔ دیگر محدثین و مؤرخین نے کئی روایات اس مضمون میں نقل کی ہیں مگر بخاری نے اسے سحر معنوی سمجھا ہے۔ گو کہ روایات میں عبارتی اختلاف موجود ہے مگر مدعا میں سب متفق ہیں کہ استقلال امیر علیہ السلام اور کمال رازداری۔

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنی کتاب سراج المبین فی تاریخ امیر المؤمنینؓ جلد اول میں اس استقامت و پاداری کے سلسلہ میں بڑی عمدہ بحث کی ہے اور انبیاء سابقین اور ائمہ ماضین کے حالات سے ایک موازنہ ترتیب دیا ہے۔ جواری علیؓ یہودہ عسکریوٹی کی غداری کی مثال اور طبرستان و شمعون کی عدم استقامت کی مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؓ علیہ السلام کی جانثاری منفرد و مبینہ مقام رکھتی ہے۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار دن غار میں مقیم رہے۔ اور حسب حکم پیغمبرؐ حضرت امیر علیہ السلام ان دنوں متواتر آب و طعام نہایت رازداری اور ہوشیاری سے پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد ہدایت رسولؐ کے مطابق سواری کے اونٹ

وقت مقررہ پر پہنچائے گئے اور حضور ابو بکر کے ہمراہ مدینہ روانہ ہوئے۔ واقعہ ہجرت کے خاص خاص واقعات ہم مختصر مختلف معتبر کتب اہل سنت سے فیصل میں درج کرتے ہیں۔

ہجرت کے خاص واقعات

جب خداوند علیم نے اپنے رسول کو حکم ہجرت کیا تو اس وقت حضرت علیؓ ۲۲ سالہ پر شہاب نوجوان تھے۔ ایسا اور تکالیف قریش انتہائی حد تک پہنچ چکی تھیں لہذا ۱۶ جولائی ۶۲۲ء یعنی بعثت کے تیرہویں سال کے آغاز میں یہ واقعہ پیش آیا۔ البرقیان و ابو جہل وغیرہ نے اسکیم تیار کی کہ سوتے میں رسولؐ پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ خدا نے جبرئیل کے ذریعے اپنے رسولؐ کو باخبر کیا۔ مخالفین ارادۂ قتل کی خاطر آپؐ کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے ایک مٹی خاک پر سورۃ یسین کی آیات پڑھ کر کفار کی طشت ریختی اور ان کی مینائی مفقود ہو گئی۔ لہذا آپؐ صاف بچ کر نکل گئے۔ جناب علیؓ المرتضیٰ کو اپنے بستر استراحت پر سنبھار دیا اور بھڑک سونے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ بے خوف و خطر سو رہے۔ کفار و مشرکین ہتھیار سنبھالے پہرے پر مقرر رہے اور سچہ پھیلنے لگے رہے۔

(روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۵۵)

خدا نے فرشتوں کو حضرت علیؓ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اللہ نے آسمان پر مہابات کی اور حضرت علیؓ کی جان فروشی کی تعریف میں یہ آیت نازل فرمائی کہ
وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ سَوْفَ بِالْعِبَادِ (سورہ بقرہ ۲۰) یعنی اور بعض لوگوں میں سے وہ ہے جو اپنی جان کو خدا کی رضا مندی کے لئے بیچتا ہے اور اللہ بندوں پر شفقت فرمے والا ہے۔ (معارف النبوة رکن چہارم ص ۳۳۔ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۲۸۳)

جب رسول خداؐ نے ہجرت فرمائی تو حضرت امیر لیا س رسولؐ میں ملبوس بہتر نبوت پر پہنچے۔ حضرت ابو بکرؓ آئے اور ان کو نبی اللہؐ سمجھ کر آواز دی۔

(تذکرہ خواص الامتہ جلد ۱، تاریخ حبیب السیر جز سوم جلد ۱ ص ۱۲)
روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۵۵، تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۳۹۱۔ احیاء العلوم،
روضۃ الاحباب، کفایت الطالب وغیرہ)

علی الصبح کفار تنواریں کھینچ کر گھر میں گھس آئے۔ جناب امیر بہتر سے
اٹھنے لگے مشرکین نے پوچھا محمدؐ کہاں ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا بہتر جانتا ہے
جہاں میں خدا کی پناہ میں ہیں۔ کفار حیران ہوئے۔ شرمندہ ہو کر حضرت علیؓ کو
گرفتار کر لیا اور بعد میں ابو لہب کے اشارہ پر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ (معارج النبوة
رکن چہارم ص ۱۴، مطالب السؤل ص ۳۶، روضۃ الصفا جلد دوم ص ۵۵)
قریش نے جناب علیؓ کو مارا، برا بھلا کہا اور کعبہ میں لاکر محبوس کیا، بعد

میں چھوڑ دیا۔ (تاریخ الخلفاء جلد اول ص ۲۲۵، روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۵۵)
سوانح عمری پیغمبر اعظم ص ۲۰۴، تاریخ طبری، ارجح المطالب وغیرہ)

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اس شیبہ ہجرت
پر چند اشعار تصنیف فرمائے جن کو علماء اہل سنت نے

اشعار حضرت رضوی

یوں نقل کیا ہے۔

وقیت بنفسی نعیر من وطی الحصار	ومن طواف بالبلیت العیتی وبالحجر
رسول اللہ خاف ان یمکرو بہ	نجاہ ذوالطول الالہ من المکر
فبات رسول اللہ فی الغار امناً	موتی وفی حفظ الالہ وفی ستر
اقام ثلاثاً وملت قتلایصا	تلا یصن فصرین الحصلی یر ما تفر
وبت اراعیمهم ما یتبستونی	فقد وطلنت نفسی علی القتل ولا یر
الردت بہ نصر الالہ تبثلا	واحرزہ او سد فی قبر
معارج النبوة رکن چہارم ص ۱۴، تفسیر طبری، ارجح المطالب، معارج النبوة	

جلد ۱ ص ۱۷۷: مواہب الدقیقہ، روضۃ الاحباب، تاریخ الخلفاء، مناقب الامیر المومنین وغیرہ
 ترجمہ: میں نے اپنی جان کے عوض میں اس عالی منزلت شخص کو
 پکایا جو پاؤں سے پتھروں یا کنکروں کے روندنے والے اور خدا کے پرانے گھراور
 اس جگہ کے طواف کرنے والوں اور حجر اسود کے بوسہ دینے والوں سے افضل ہے۔ خدا
 کے رسول کو اندیشہ ہوا کہ دشمن اُن کو نقصان پہنچائیں گے۔ پس خدا نے جو بڑا قدرت
 والا اور صاحب فضل و بزرگ ہے۔ اپنے پیغمبر کو اُن کے شر سے بچالیا۔ پس اللہ کے
 رسول نے غار میں امن و سلامتی سے رات کاٹی۔ دشمن سے بچانے والے خدا کی حفاظت
 اور حجاب قدرت میں تین دن وہاں غار میں مقیم رہے۔ پھر ناکوں کو بہاریں دی گئیں۔
 جو ایسے تیز رفتار تھے کہ ہر طائر پتھر اور کنکریوں کو روندنے چلے جاتے تھے۔ اور
 میں نے دشمنوں کے حملے کے انتظار میں رات کاٹی اور مجھے گھائل بھی نہ کر سکے۔
 اور نہ قیدی رکھ سکے کیونکہ بے شک میں قتل و قید سے ڈرنے والا نہ تھا کہ یہ
 میری جبلتِ عادت ہے۔ میں نے ہر حسینہ سے قطع نظر کر کے عرض خدا کے دین
 کی امداد و خلوص نیت سے کی ہے۔ اور آئندہ بھی یہی ٹھکان لیا ہے کہ جب تک
 قبر میں تکیہ لگا کر نہ لیٹوں اس عزم پر مصمم رہوں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو غار ثور کی طرف نکلے تو حضرت
 ابوبکر بھی جناب علی سے آپ کا پتہ معلوم کر کے تعاقب میں گئے۔ جب تک حضورؐ
 غار کے قریب پہنچ گئے تو آپؐ سنی اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی دشمن پکڑنے
 والا نہ ہو۔ جب ابوبکر نے گھنٹا گھورا تو حضرتؐ نے پہچان لیا۔ اُس کے اور دونوں
 مل کر آگے روانہ ہوئے۔ ملاحظہ کریں۔

(دلائل النبوة ابن مردودہ تفسیر و منشور جلد ۲ ص ۲۷۲ تاریخ طبری
 جلد ۲ ص ۱۲۴)

قرآن مجید نے اس واقعہ کو ان مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔
 ”ثَانِي اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ۔ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ۔“

تَحْزَنُ اِنْ اَللّٰهُ مَعَنَا - فَاَنْزَلَ اَللّٰهُ سَكِيْنَةً عَلَيْهِ اَيْدِيَ لَا يَجْنُوْنَ وَلَمْ
نَزُوْهَا -

یعنی اُمّی اللہ نے اپنے رسول کی مدد اس وقت بھی کی جب کافروں نے
اس کو ایسا بے سرو سامان گھر سے نکال باہر کیا کہ صحتِ روح آدمی اور دویں
دوسرے رسول اس وقت غار میں اپنے ساتھی کو تسلی دے رہے تھے کہ کچھ بدبخ
نہ کرو۔ ڈرو مت اللہ تجارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر اپنی
طہر سے تسلی نازل کی اور ان کی فرشتوں کی ایسی فوج سے مدد کی جس
کو تم لوگ نہ دیکھ سکتے۔

کفار و مشرکین مکہ نے حضورؐ کی تلاش شروع کر دی۔ تمام اطراف میں
لوگوں کو دوڑا دیا جینگل، پہاڑ، ریگستان ڈھونڈ مارے۔ آخر کار جبلِ ثور پر
چڑھ آئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے اُن کے پاؤں کی آہٹ سنی تو
ڈر گئے۔ آنسو بہانے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا "لَا تَحْزَنُ اِنْ اَللّٰهُ مَعَنَا"
مت خوفزدہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن جب کفار نے قدرت کا
یہ بندوبست دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تناسا ہوا ہے۔ کبوتری
نے انڈے دیئے ہیں۔ اور درخت غار دار پیدا ہو چکا ہے تو کہنے
لگے اس غار میں اگر کوئی چھپا ہوتا تو یہ جالا ٹوٹ جاتا۔ انڈے
محفوظ نہ ہوتے۔ مایوس ہو کر واپس لوٹے۔ (ملاحظہ کریں مدارج النبوة
رکن چہارم صفحہ ۶، روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۵۶، تاریخ الخلفاء جلد ۱
صفحہ ۳۲۶، روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۶۸، تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۲۳، شواہد
النبوة، مدارج النبوة - وغیرہ وغیرہ)

جب کفار قریش کے پاؤں کی آواز حضرت ابوبکرؓ کے کانوں

میں پڑی تو انہیں سخت گھبراہٹ ہوئی۔ عالم خوف میں بولے ہم یہاں صرف دو آدمی ہیں۔ ہماری ہستی کا کیا ہے۔ اب ہم ان کے ہاتھوں پر چڑھیں گے۔ ہمیں تلوار کے گھات اتار دیا جائے گا۔ پس رسول مبین نے ارشاد فرمایا۔ ہم دو نہیں تین ہیں اور وہ تیسرا بہت زبردست ہے۔ آنحضرت کو اپنے قوی و عزیز خدا پر کامل بھروسہ اور اپنی صداقت پر پورا اعتماد تھا۔ لہذا اپنے رفیق کی تسلی و تشفی فرمائی۔ ثبوت کے لئے دیکھئے سوانح عمری پینیبطرا عظم ص ۱۰۳۔

حضرت ابوبکر مشرکین تعاقب کرنے والوں کی آواز سے اتنے مضطرب ہوئے کہ تھر تھر کانپنے لگے اور کہنے لگے کہ ہمارے تعاقب کرنے والے بہت زیادہ ہیں اور ہم صرف دو ہی ہیں۔ بہادر و صابر رسولؐ نے فرمایا۔ ڈرتے کیوں ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

(ماخوذ تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۶۸ علامہ عباسی بحوالہ ثبوت خلافت)

جب حضرت ابوبکر نے کفار کو دیکھا کہ غار کے نزدیک آگئے ہیں تو رسول اللہ کے خوف سے لئے رو پڑے یعنی ابوبکر کے آنسو گر پڑے۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا تو نہ ڈر تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پس ابوبکر نے کہا کیا اللہ ہمارے ساتھ ہے؟ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہاں۔ پس ابوبکر اپنے رشتاروں کے آنسو صاف کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۴ مطبوعہ مصر)

جب رسول کریمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی یہ حالت ملاحظہ فرمائی، تو حضورؐ نے فرمایا۔

”اے ابوبکر کیا تو نہیں خیال کرتا کہ ہم دو نہیں ہیں بلکہ تیسرا ہمارے ساتھ اللہ ہے۔“ (مسند احمد بن حنبل جز اول ص ۱ مطبوعہ مصر)

حضرت ابوبکر کی یہ پست ہمتی اور کوتاہ حوصلگی

سانپ کا ڈسنا

جب اُن کے ملاحوں کو زمرہ تنقیص میں دکھائی دیتی ہے تو پھر اپنے مدوح کی شان افزائی کی تراکیب وضع کرتے ہیں۔ چنانچہ مشہور کیا گیا کہ حضرت ابوبکر خوف کے باعث گریہ زاری نہ فرماتے تھے بلکہ اصل میں غار میں سے ایک سانپ نکل آیا تھا جس نے آپ کو ڈس لیا اور اس شدت تکلیف کے باعث آپ گرمیہ کھا رہے ہوئے۔ اس افسانے کی ناخوشی یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر پہلے غار میں داخل ہوئے۔ اس کی صفائی کی۔ غار کے گوشوں اور سوراخوں کو پر کیا۔ دوسرا رخ بڑے بچے آزار بند پھاڑا دونوں سوراخوں میں اپنے پاؤں ڈال دیئے۔ ان سوراخوں میں سے ایک میں سے سانپ نے ایک پیر پر ڈنگ مار دیا۔ اس تکلیف میں آنسو جاری ہوئے اور رسول اللہؐ پر ٹپکے۔ حضورؐ بیدار ہوئے۔ احوال دریافت کئے۔ اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اچھے ہو گئے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ مطبوعہ محبائی دہلی)

یہ مارگزیدی کا قصہ روایتی اور درایتی دونوں اعتبار سے ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ حجت امر الہی سے ہو رہی تھی۔ خدا نے حفاظت کا ذمہ لے لیا تھا۔ چنانچہ قلیل مدت میں مکڑی کا غار کے دہانے پر جالا بننا۔ کبوتری کا انڈے دینا اور خار دار درخت کا اگنا اس بات کے شواہد ہیں کہ خدا حفاظت کے تمام بند و بست خود کر رہا ہے۔ لہذا دہانے سے سانپ کا نمودار ہونا اور اس کا لمس لینا وعدہ خداوندی کے خلاف ہے۔ جو کہ امر محال ہے۔ غار ثور اس قدر صاف شفاف ہے کہ اس میں سوراخ نہیں ہے۔

۷۸

گذشتہ حوالہ جات کی عبارات میں سوائے دشمنوں کے خوف کے اور کوئی دوسری وجہ نہیں ملتی ہے۔ اور حضور کا خدا کو تمیز اساتھی بتانا اس بات کا قوی ثبوت ہے حضرت ابوبکر کو اپنی قلت و کمزوری کی وجہ سے گرفتاری یا قتل کا خوف تھا۔

صاحب سنیہ میں کوئی ایسی صحیح روایت موجود نہیں ہے جو حضرت ابوبکر سے مروی ہو کہ مجھے غار میں سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ خود علمائے اہل سنت نے اس قصہ پر اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ رونے کی وجہ و باعث پر علماء میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں خوفِ جان سے گریہ فرمایا۔ کوئی کہتا ہے سانپ نے کاٹ کھایا۔ کچھ کہتے ہیں کہ خطرہ مال تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

یہ روایت غیر مستند و محجوز اور مقطوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے علماء نے اس کو تحریر کرنا پسند نہیں کیا ہے۔ اگر یہ روایت قابلِ توجہ ہوتی تو علامہ شبلی نعمانی اپنی سیرت میں ضرور اس کا تذکرہ کرتے۔ پس حضرت ابوبکر کا رونا سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اُن کو خطرہ جان و مال محسوس ہو رہا تھا۔ بعض کو جان سے مال زیادہ عزیز ہوتا ہے کہ بندے کو بیٹھ کر روتے ہیں اور دولت کو کھڑا ہو کر۔ شاید اسی لئے حضرت ابوبکر غار کے نزدیک آگئے اور کھڑے ہو کر رونا شروع کیا۔ جیسا کہ امام مختار الدین رازی نے تفسیر کبیر میں تحریر کیا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ:

حضرت ام المومنین بی بی عائشہ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر کے پاس گھر میں نقد پانچ ہزار درہم تھے۔ چلتی دھن سب اٹھا کر لے گئے۔ ابو جہل سے روادانے کہا ابوبکر نے تم کو سختی و تنگی میں چھوڑ دیا۔ اور تمہارے واسطے کچھ نہ چھوڑ گیا۔ میں نے کہا داد اِجَان وہ ہمارے واسطے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ جہاں ابوبکر روپیہ رکھتے تھے وہاں میں نے پتھر کے ٹکڑے لا کر رکھ

دیئے اور ان کو کپڑے سے ڈھانک دیا۔ میں نے کہا یہ مال ہمارے واسطے چھوڑ گئے ہیں۔ ابو جعفر نے کہا غم نہ کھاؤ۔ یہ تمہارے لئے کافی ہے۔
(روضۃ الصفا جلد دوم ص ۵۵)

اس روایت اہل سنت کے مطابق یہی خیال قرین قیاس ہے کہ حضرت ابو بکر اپنے مال و جان کو خطرہ میں دیکھ کر مضطرب ہوئے تھے۔

ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ حسب ہدایت رسولؐ جتنے دن رسولؐ فارغ ہوئے وہی وہی طعام و خوراک کا بندوبست حضرت علیؑ کرتے رہے اور علامہ سیوطی کی روایت کے مطابق عامر بن نہیرہ کھانا لاتا رہا اور جناب امیرؓ نے تعمیل حکم رسولؐ میں بجزیں کے تین اونٹ خرید فرمائے اور وقت مقرر پر پہنچا دیئے۔ عبداللہ بن الریقظ ایک محترم ہر بھی حضرت علیؑ ہی کی معرفت آجستہ پر مقرر ہوا جیسا کہ مسعودی نے مروج الذهب میں، حسین دیار بکری نے تاریخ الخفیس میں لکھا ہے۔

پس اندر میں صورت اصل حقیقت یہی سامنے آتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ پر وگرامِ محبت سے لاعلم تھے۔ اور انہوں نے حضرت علیؑ سے آکر دریافت کیا تو پھر حضورؐ کے تعاقب میں گئے۔ پس حضرت ابو بکرؓ کے گھر سے طعام کا غار فوراً جانا، سامان تیار ہونا، اونٹنیوں کا قفسہ وغیرہ وغیرہ تمام کا تمام یار لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔ تاکہ فضائل مرتضوی کے مقابلے میں حضرت ابو بکرؓ کے مناقب بڑھائے جاسکیں۔ حاجی حکیم طاہر نور حسین صاحب صابر جھنگ سیالوی (سابق سنی حنفی) جعفری کہ بلائی اثنائے عشری اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنی کتاب ”ثبوت خلافت“ میں واقعاتِ محبت پر متوسل کے لئے نکات عجیبہ بیان کئے ہیں۔ میں ان براہین صابرؒ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

۸۰ برائین صابر سے

۱۔ اس واقعہ شبِ بخت سے جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ کی کمال شجاعت، جان نثاری، ایثار نفسی، حقیقی قربانی اور خلافتِ بلا فصل ثنابت ہوتی ہے۔ کہ دشمنوں کی تلواروں، نیزوں اور پتھروں کے سایہ کے نیچے رات بسر کی۔ مگر رضائے الہی میں اُفت تک نہ کی۔ بلا خوف و خطر بسترِ نبوت پر لیٹے رہے۔ معصوم نبیؐ کے بسترِ مبارک پر معصوم وحی و جانشین ہی سو سکتا ہے۔

حقدار بھی ہے خویشِ رسولؐ میں بھی ہے
سویا جو فرشِ پروہی مسند نشین بھی ہے

۲۔ جناب امیر علیہ السلام ہی بخت کے مسببِ فاعلی ہیں۔ اگر وہ جنابِ بسترِ رالت پر نہ سوتے تو بختِ شر ہی نہ ہوتی۔ یہ تمام مہاجرین صحابہ پر جناب امیر علیہ السلام کا احسان ہے۔

۳۔ شبِ بخت میں بلا کھٹکے بسترِ رسولؐ پر سونا اور اپنی جان کو فدا کر کے خداوندِ کریم کے سپرد کرنا یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ جو وعدہ جناب علی المرتضیٰ نے دعوتِ قریش میں فرمایا تھا اس کو پورا کر دکھلایا۔

۴۔ جناب امیر حضرت عیسیٰؑ کے مشہور حواری ”سینٹ پیٹرز“ (پیٹر) سے پیر جہا افضل ثنابت ہوئے کہ جس نے جنابِ مسیحؑ کو خلافِ شانِ لفظوں سے یاد کیا اور میر و ہونے سے انکار کیا اور اپنی جان بجا کر بھاگ گیا۔ یہود اوہ سے کئی درجہ بہتر تھے کہ جس نے جنابِ مسیحؑ کو تیس درہم لیکر پکڑا دیا مگر جنابِ سیدنا و مولانا علی المرتضیٰؑ نے اپنی فوجِ جوانِ عمر میں صداقتِ شجاعت، وفاداری و غم گساری کا بینِ ثبوت دیدیا۔ کفار و مشرکین کے ڈرانے و دھمکانے پر رازِ نبویؐ کو افشاء نہ کیا۔ تمام دنیا پر

۸۱

ثابت کر دکھایا کہ حقیقی غم خوار وہاں شمار ایسے ہو کرتے ہیں۔ جناب
 مسیح کے حواری شمعون پطرس اور جناب امیر کی وفاداری کا مقابلہ کر لو۔
 (الف) یوحنا کی انجیل باب آیت ۲۵ پر ہے۔ شمعون پطرس کھڑا تاپ رہا
 تھا۔ پس انہوں نے اس سے کہا۔ کیا تو ہی اس کے شاگردوں میں سے
 ہے۔ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ جس شخص کا پطرس نے کان اڑا دیا
 تھا اس کے ایک رشتہ دار نے جو سردار کاہن کا نوکر تھا کہا کیا میں
 نے تجھے اس کے ساتھ باغ میں نہیں دیکھا۔ پطرس نے پھر انکار کیا۔
 اور فوراً مرغ نے بانگ دی۔ (متی ۲۶/۷۰، لوقا ۲۲/۵۸)

(ب) حواری یہوداہ اسکریوٹی کا جناب مسیح کو پکڑوانا۔ دیکھو یوحنا کی
 انجیل باب ”یسوع“ یہ باتیں کہہ کر اپنے شاگردوں کے ساتھ قدرون
 کی تالی کے پار گیا۔ وہاں ایک باغ تھا۔ اس میں وہ اس کے شاگرد
 داخل ہوئے۔ اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی اس جگہ کو جانتا
 تھا۔ کیونکہ یسوع اکثر اپنے شاگردوں کے ساتھ وہاں جایا کرتا تھا۔
 پس یہوداہ سپاہیوں کی پلیٹیں اور سردار کا ہنوں فریسیوں سے
 پیادے مشعلوں اور چراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں کرا۔

(متی ۲۶/۵۸، لوقا ۲۲/۴۷ و مرقس ۱۴/۴۸)
 ۵۔ جس قدر مشقت تسلیم اور رضا سے جناب امیر نے یہ حوریت کا منظر
 دیکھا جو جناب امیر کے معلم روحانی مقدس و معصوم محبوبہ سمائی و رسول یزیدی
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تجویز کی گئی تھی۔ یہ وصف سوائے ذات
 بابرکات ولی الکائنات علیہ السلام کے کسی دوسرے اصحاب باوفا میں
 نہیں پایا گیا ہے۔

۶۔ جناب امیر کا قتل ہو جانے کے لئے بے خوف بلا عذر بلا جھجک سو رہنا
 اور ان کی بلند خیالی کی گرفت متذکرہ صدر مہار تخیل سے ہمیں بالاتر ہے۔

۸۲

جسے خاموش سنئے اور لطف اٹھائے۔ (الکتران)

۷۔ گوا غفرت کو معلوم تھا کہ جناب علی کا مال بیگانہ ہوگا لیکن پھر بھی حضرت علی کی بہت دیکھنی چاہیے کہ انہوں نے کس جو انداز سے مومن ہلاکت میں اپنی جان ڈالنی منظور کر لی۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے جو وعدہ پیغمبرِ خدا صلعم کی مدد کے لئے کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا۔

(تاریخ الاسلام عباسی ص ۸۱)

۸۔ جناب امیرِ کاتبِ نبوت پر رضائے الہی میں سونا اسلام اور بانی اسلام کی ہر حالت میں صداقت و سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر جناب امیر نہ ہوتے تو عہدِ نبوت بھی نہ ہوتی اور کیونکہ باقی صحابہ میں سے کوئی ایسا مرد لاوار نہ تھا اور نہ ہی کسی کو سرورِ عالم صلعم سے زیادہ تقرب حاصل تھا نہ کسی کا خون ملا ہوا تھا۔ اگر کوئی اور صاحبِ سوتے تو پردہ فاش ہو جاتا۔ یا تو وہ ڈر کے مارے خود ادا ہوا ہو یا نایا کفارِ شرکین کو جھٹ نشان و پتہ رسول مقبول کا بتا دیتا۔ دیگر کفار مکہ کو طعنہ کا موقع مل جاتا کہ واہ کیا نبی و رسول تھا خود تو خویش و انارب کو لے کر ہجرت کر گئے۔ اور باقی اصحاب کو جو رشتہ دار نہ تھے خطرے میں ڈال گئے۔ اگر نبی برحق ہوتا تو اپنے کسی رشتہ دار قریبی کو سلا جاتا۔ پس طعن کو دور کرنے اور اپنی نبوت کی صداقت اور اپنے ابنِ عم کو موسیٰ و علیفہ اللہ عنہ کے لئے بسترِ نبوت پر سلا گئے کہ جس سے نبوت و رسالت کی تصدیق کر گئے۔ کہ اڑے اور مشکل وقت مصیبت میں اپنے عزیز اور حقیقی جانِ نثار، وفادار مومن کامل ہی کام آیا کرتے ہیں۔ جناب امیر کی حقیقی قربانی نے جناب سیدالابرار احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب یارِ فارح حضرت ابوبکر کو بچا دیا۔ اور دین اسلام کی بنیاد قائم کر دی۔

۹۔ بائیس سال کی عمر میں کفار و مشرکین کے نرغہ میں محصور ہو کر جناب

۸۳

سید المرسلینؐ پر جان قربان کرنا اور اس اوائل عمر میں بغیر مونس و مددگار مقابلہ کفار کو تیار ہونا یہ جناب امیر المومنینؑ کے ایمان کی کمالیت اور فطرتِ امامت اور خلافت بلا فصل کا بین ثبوت ہے کہ سب سے مشکل وقت جان فدا کرنا امر عظیم کو جس پر وہ مامور کئے گئے تھے بلا خوف و خطر انجام دینا سب سے زیادہ جان ہنار بہادر و وفادار ہی کا کام ہے۔ اس کی شہادت و مثال آج تک کوئی نہ پیش کر سکا۔

۱۰۔ جناب مولانا علی المرتضیٰ کے قتل ہو جانے کے لئے بستر نبوتؐ پر خوشی خوشی لیٹا رہنا۔ گوان کا قتل واقع نہ ہوا لیکن زندگی میں رتبہ شہادت و فنائی الرسولؐ کا حاصل کر لینا ہے۔ کیونکہ اقدام کسی فعل کا ارتکاب کے برابر ہوتا ہے۔

۱۱۔ ایک درجہ شہادت کا تو وہ ہے کہ جو مسلمان جنگ اعلاز کلمۃ اللہ کی خاطر قتل ہو جائے لیکن اس سے بھی بالاتر وہ شہادت فضیلت کھنے والی ہے جو کوئی عوض جان بائیے اسلام کے بریت حقیقی اپنا قتل ہو جانا بخوشی گوارہ کرے۔ گو قتل واقعہ ہو یا نہ ہو اور اسی درجہ شہادت کے بحر کو اپنی پاک زندگی میں ہی جناب امیرؑ نے حاصل کیا ہے۔ جس کی وجہ سے گویا ”ذوالشہادتین“ ہیں۔

۱۲۔ جناب امیر علیہ السلام نے اپنی جان پر کھیل کر طفیل پیغمبر صلعم جناب ابو بکرؓ کی بھی جان بچا کر ان پر احسان فرمایا تھا جسے انہیں ہرگز نہ بھوننا چاہیئے تھا۔

۱۳۔ حبیبنا الطینان قلب سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند ایزد مہمان نے عطا فرمایا تھا ویسا ہی جناب شاہ مردان علیہ السلام کو قلب مطمئنہ حاصل تھا۔ اس لئے وہ شبِ ہجرت میں نہ ڈرے۔

۱۴۔ بائیس سالہ جوان مکہ شریف کے کچے مکان کے اندر کفار و دشمنوں کے

۸۴

نرخے میں بلا خوف و خطر اطاعت اللہ و اطاعت رسول اللہ میں اکیلا
 سوتا ہے ادھر غار ثور میں چالیس (۴۰) سالہ بزرگ اونچے پہاڑ
 کی چوٹی پر سنگین قلعہ کے اندر پناہ و شوکت مسلم کے باوجود روتا
 ہے۔ فرمائیے ان دونوں میں افضل و شجاع و بہادر کون ہوتا ہے۔؟
 ۱۵۔ چونکہ حضرت ابو بکر صاحب چالیس سال تک بت پرستی کرتے رہے اور
 جاہلیت کے تمام افعال میں مستغرق رہے۔ کفار و مشرکین کے گھر بتوں
 میں پرورش پائی اور چالیس سال بعد اسلام نے ان کے کفر و شرک
 کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر ابھی نو مسلم ہونے کے باعث اسرار توحید و انوار
 نبوت کا حقہ، شربیر نہ ہوئی تھی۔ اس لئے ابھی ان کو قلب سلیم حاصل
 نہیں ہوا تھا۔ کہ باوجود مصاحبت جناب رسالت مآب و حفاظت حقیقی
 حق تعالیٰ کے وہ ڈرنے لگ گئے۔ اور فرط نے لگے کیا اللہ ہمارے ساتھ ہے؟
 گویا اب تک یار غار کو اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور اس کی
 معیت کی خبر تک بھی نہ تھی۔ ڈرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے۔
 اے اللہ کے رسول کافروں نے ہم کو الیا۔ جس پر لا تحزن ان
 اللہ معنا کافران جاری ہوتا ہے۔ ادھر مکہ معظمہ میں قریشی
 الہاشمی جو یمن تن تنہا اکیلا موت کے چنگل میں ہے۔ اُف تک نہیں
 کرتا اور بڑی خوشی و مسرت و دلیری سے کفار کو جواب دیتا ہے۔
 حس پر ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء کافرا عطا ہوتا ہے
 فرمائیے نور عرفان، تزکیہ نفس، ایمان کامل و قلب سلیم کس کو زیادہ حاصل
 تھا۔ اور حقیقی خلیفہ و ولیہد و قوادیر اعظم کس کو ملے؟ ڈرنے والا
 انسان بہادر اور سلیم الطبع انسان سے افضل نہیں ہو سکتا۔
 ۱۶۔ نوامب و خراج و قادیانی حضرت ابو بکر کو معیت غار ثور سے افضل
 الناس بعد انبیاء شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ لا تحزن کے فرمان (خلا)

سرورِ دو جہاں نے جناب ابوبکرؓ کی بہادری، دلیری، اجرات، صلہ و صداقت اور رفاقت پر کافی روشنی ڈال دی ہے۔ افضلیت اس وقت ثابت ہوتی ہے کہ جب کسی دوسرے سے مقابل سے بڑھ کر کام کیا جلاتے فرمائیے جناب ابوبکرؓ صاحب نے غارِ ثور میں فضیلت کا کون سا کام کیا۔ کیا مورچہ سنبھالے رہے یا تلوار لے کر سیدہ سپر ہوئے یا سرورِ دو عالم صلعم کو تسلی دی بلکہ اُٹھا غار میں جا کر رونا شروع کر دیا۔ اگر کفار کو معلوم ہو جاتا تو گرفتار ہو جاتے۔ وہ تو خود اپنی جان بچانے کی فکر میں لگے رہے۔ اُٹھا سرورِ دو عالم کو پہلانا پڑا۔

۱۔ ان اللہ معنا ہے افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ خداوند کریم ہر ایک کا محض حقیقی ہے۔ قرآن شریف میں لفظ انا جمع کا صیغہ اکثر تعظیم و عزت کے لئے آیا ہے۔ نحن نزلنا، انا نزلنا، نحن اقرب الیہ من جبل الوریث میں ہر ایک فرد مسلم کو معیت خداوندی حاصل ہے اور معنا جمع متکلم کی ضمیر سرورِ دو عالم صلعم کی طرف راجع ہے جس سے مراد گروہ انبیاء مرسلین ہے جیسے السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین تشہد میں ہے علینا سے مراد انبیاء مرسلین ہے۔ پس حضور انور صلعم نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ آپ ڈر نہ کھائیں ہم پیغمبروں کا خدا مظلوم ناصر ہوتا ہے اور حفاظت رسالت کے واسطے فرشتے موجود رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسکنین یعنی تسلی و اطمینان قلب بھی سرورِ دو عالم پر نازل فرمائی تھی۔

(نوٹ:۔ ارشاد خداوندی ہے کہ ما یکون من منجوسی ثلثۃ ذالک الاھو محھم۔ یعنی راہ گروں میں سے نہیں ہیں تین آدمی مگر یہ کہ جو تھا اللہ تعالیٰ ہے اور نہیں پانچ آدمی مگر یہ کہ خدا ان کا چھٹا ہے نہ کمتر ہیں اس سے زیادہ ہیں ان سے مگر خدائے

۸۶

تعالیٰ ان کے ہمراہ ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ تمام کافروں مشرکوں منافقوں مومنوں مسلمانوں کے ساتھ خدا ہے۔ پھر حضرت ابو بکر کو اس موقع سے کیا خاص فضیلت حاصل ہوئی؟ (مشتاقی)

۱۸۔ غار ثور | پہاڑ جبل (ثور) کے اوپر واقع ہے جو مدینہ منورہ سے ڈھائی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ بندہ صابر

مولف کتاب ہذا (ثبوت خلافت) اس تاریخی مقام کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ ایک میل کے قریب پہاڑ کی چڑھائی ہے۔ سلطنت ترکی نے راستہ پاٹ دیا ہوا ہے کہ باسانی چڑھ سکتے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک گول بلند پتھر پڑا ہوا ہے جس کے اندر کھوکھلا سا مقام ہے۔ گویا ایک گنبد ہے۔ ایک طرف کو سوراخ ہے جس کے راستے سرور عالم اس جگہ داخل ہوئے تھے مگر سلطنت ترکی نے اس کے دوسری طرف سے بھی راستہ نکال دیا ہے۔ اندر بالکل صاف و شفاف ہے۔ کوئی سوراخ نہیں دہ آدی بخوبی اس میں بیٹھ سکتے ہیں سادہ پہاڑوں کے دامن میں جو لمبی سرنگیں ہوتی ہیں غار ثور اس قسم کی سرنگ نہیں مشکوٰۃ شریف مطبوعہ عثمانی دہلی ص ۵۵ پر لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر پہلے غار میں گئے۔ سوراخ بند کر کے آزار بند بھاڑا اور دوسرا خول میں اپنے پاؤں ڈال دیئے جب سائپ نے کاٹا تو آنسو بہائے جس پر رسول اللہ نے بیدار ہو کر پوچھا۔ اور لحاظ دہن لگایا کہ وہ (چھپے ہو گئے)۔ اس کو ناصبی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے جہاں ناری کی۔ حالانکہ سائپ سے نڈرے مگر کفار کو دیکھ کر ڈر گئے۔ یہ

لبس کن کہ حدیث غار کے علاوہ نہ عقل پر آل خزن بیقراری شیخ معمر امام من آنت کہ فرمائش بڑہ مارو من این امام مارگزیدہ کجا برم جناب ابو بکر کو تو غار ثور میں سائپ نے کاٹ کھایا جس پر رونے لگے مگر بناب امیر علیہ السلام کا حکم ایک اثر دہانے مانا بتائیے افضل کون ہے؟

معجزہ اول

صاحب شہادۃ النبوة والسعد بن ابراہیم ربیع مسمی کتاب اربعین میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب علی المرتضیٰ کو فہ میں مصروف و غوطہ تھے کہ ناگاہ ایک شروع غل سولہ دیکھا کہ ایک اڑدھا چلا آرہا ہے۔ لوگ خوفناک ہوئے۔ لیکن جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا کوئی خوف نہ کرے اور اس کو راستہ دے دو۔ اس کو مجھ سے کام ہے۔ چنانچہ وہ اڑدھا جناب علی المرتضیٰ کے قریب بالائے منبر پہنچا۔ اور اپنا کپھن گوش مبارک پر لٹکا دیا پھر جناب امیر نے کچھ کلمات اس کے کپھن کے قریب فرمائے۔ وہ فہن کو واپس چلا گیا۔ دریافت پر حاضرین سے جناب امیر المومنین نے فرمایا کہ میں جس طرح تمہارا امام ہوں اسی طرح میری امامت کی معتقد تمام مخلوق قلیل ہے۔ یہ فلاں شاہ جن کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ نے آج قضا کی۔ اور یہ اس کا جانشین ہوا ہے۔ مجھ سے بعض امور انتظامی سلطنت کے متعلق بعض حکم چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کو حکم دیا گیا۔ کو فہ میں جو ایک دروازہ جاب ثعلبان مشہور ہے اس کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ اسی راستے سے اڑدھا آیا تھا۔ اس زمانہ میں یہ معجزہ دور دور تک مشہور ہو گیا۔

معجزہ دوم

حضرت ابو بکر کو تو سانپ (مار) نے غار میں کاٹ کھایا اور آپ کی رفاقت و صداقت کی برواہ نہ کی مگر یہاں سانپ اڑدھا اکل سیدنا محمود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین الشریفین علیہما السلام کی حفاظت کرتے تھے۔ سنو! حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے کہ ایک وقت ہم جناب رسول خدا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ام ایمن نے اگر عرض کی یا رسول اللہ صلعم بہت دن آگیا ہے۔ حسنین الشریفین کہیں گم ہو گئے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا میسر بچوں کو تلاش کرو۔ ہر ایک نے اپنے ناک کی سیدھ پکڑ لی۔ میں آنحضرت کے ہمراہ گیا۔ ہم نے ایک پہاڑ کے نیچے حسنین الشریفین کو ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے سوتا پایا۔ اور ایک سانپ کو ان پر سایہ کئے ہوئے

دیکھا جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ حضرت صلعم اس کی طرف دوڑے اور وہ حضرتؑ کی طرف دوڑا۔ آنحضرتؐ سے کچھ باتیں کرنے لگا۔ پھر وہ کوٹ کر ایک سوراخ میں گھس گیا۔ آنحضرتؐ نے بڑھ کر ان کو جدا کیا اور ان کے چہرے کے غبار کو پونچھا اور فرمایا میرا باپ تم پر فدا ہوں۔ تم خدا کے بڑے پیارے ہو۔ پھر آنحضرتؐ نے ایک کو کاندھے پر دوسرے کو دوسرے کاندھے پر اٹھایا۔ میں نے کہا اے صاحبزادو۔ تمہیں مبارک ہو۔ تمہاری سواری کیا اچھی ہے۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا۔ یہ سواری تو اچھی ہیں اور ان کے ماں باپ ان سے بہتر ہیں۔ (تاریخ الطبرانی فی الکبیر فی مسانید الحسن ارجح المطالب باب سوم صفحہ ۲)

۱۹۔ نامی و خارجی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر جناب سید البشر صلعم کو کندھوں پر اٹھا کر غار ثور تک لے گئے۔ مصنف جلد حیدری اس واقعہ پر تعجب کرتا ہے کہ ایسی طاقت حضرت ابوبکرؓ میں کہاں سے آئی کہ بار نبوتؐ کو اٹھایا۔ یہ ابوبکر آگے بدوشش گرفت دے زین حدیث است جائے تکلف کہ در کس چنان قوت آمد پدید کہ بار نبوتؐ کو اندک کشید حضرت ابوبکر ایک معمر و بڑے پتلے بزرگ جن کے ساتھ بروایت روئے الصدقا جلد دوم و تاریخ خمیس پانچ ہزار درہم کی تمغلیاں بھی موجود تھیں۔ وہ جناب سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے شکل پہاڑ کی چوٹی پر اٹھا کر لے گئے تھا کہ ستر جوان پہلوان کی طاقت جناب رسول خداؐ دیکھتے تھے۔ یہ یار لوگوں کے حل خوش کن فسانے اور رسالہ لوحوں کو پھسلانے کے بہانے ہیں۔ جناب امیر المؤمنین علی المرتضیٰؑ کے مدارج و مہر نبوتؐ پر جڑ بٹھ کر خانہ کعبہ کے بت گرانے کے مقابل یہ ترانے ہیں۔ مان لیا کہ ابوبکرؓ بزاز کا کام کرتے تھے اور کپڑوں کی گٹھریاں وینڈل لے کر بازاروں میں پھیری لگاتے پھرتے تھے۔ (تاریخ الاسلام جلد سوم باب دوم صفحہ اول بحوالہ حیوۃ الجنان) اس واسطے ان کو بوجھ اٹھانے کی

عادت تھی تو اگر سرورِ عالم کو اٹھایا ہو تو ان سے کون سی افضلیت ثابت ہوئی۔ بوجہ اٹھانا کوئی فضیلت نہیں۔ اگر خسر نے اپنے داماد کو اٹھایا تو کس پر احسان کیا۔ یہ فطرۃ منصبی فرض تھا۔ مگر یہ نواصب کے جھوٹے قصے کہانیاں ہیں۔

۲۰۔ فانزل اللہ سکینۃ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول خداؐ

پر سکینہ نازل فرمائی۔ تاکہ وہ بھی یارِ غار کے ڈرانے سے نہ ڈر جائیں۔ جنگ بدر میں اور حنین میں سکینہ تسلی سید المرسلین اور مومنین پر نازل ہو چکی ہے اور ہمیشہ نصرت و استعانت پروردگار عز و جہاد میں مجاہدین مومنین کے قابلِ حال رہی ہے۔ قرآن تعالیٰ تم انزل اللہ سکینۃ علی رسولہ و علی المومنین وانزل جنودہ الم تر وہ۔

روى عن انس ان ابا بكر حدثه قال قلت للنبي صلى الله عليه وسلم وهو في النار وقال مرتج وخن في الغار لو ان احدهم نظر الى قدميه لايصرا فاحت قدميه قال فقال يا ابو بكر ما ظنك باثنين اللہ ثالثہما (دیکھو مسند احمد علی مطبوعہ صفحہ ۱۷۱ مسند ابی بکر الصدیق ص ۱۷۱ سطر ۱۱) از اسلامیه کالج پشاور لاہور سی بخاری ص ۱۱۱ (پ)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے ان سے بیان کیا کہ جس وقت وہ جناب سرورِ عالم کے ساتھ غار میں تھے اور کفار مشرکین پہنچ گئے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ان کافروں سے کوئی اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہم کو دیکھ پائے گا۔ جناب سرورِ عالم نے فرمایا اے ابو بکر تیرا کہاں خیال ہے ہم دونوں کی تفسیر اللہ بھی ہے جو حافظ و ناصرِ حقیقی ہے۔

(جب) غار سے نکلنے کے بعد سفرِ مدینہ منورہ میں سراقہ بن مالک مشرک

نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کیا تو حضرت ابو بکر نے پیچھے ہٹ کر دیکھا اور کہا۔ اتینیا یا رسول اللہ فقال لا تحزن ان اللہ معنا۔

یا رسول اللہ صلعم اب ہم بچے گئے۔ دشمن آپہنچے۔ آپ نے فرمایا کاہے کو

۹۰

ربیع کرتا ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے (بخاری مترجم پیل ۵۵ مطبع احمدی لاہور)
یہ جناب ابوبکر صاحب کادوسرا حزن ہے کہ باوجود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے تسلی و تشفی کے پھر بھی آپ کا حزن و غم دور نہ ہوا اور تمام سفر فریضہ میں
ڈرتے رہے۔

نکتہ | براہین صابریہ تمام ہوئیں۔ یہاں ایک نکتہ پیش خدمت کرتا ہے
کہ کتب صحیحہ شریفہ میں روایات موجود ہیں کہ بی بی عائشہ کہتی ہیں
کہ اگر رات کی تاریکی میں ہماری سوتی گم ہو جاتی تھی تو ہم اس نور کی روشنی کی مدد
سے اس کو تلاش کر لیتے تھے جو پیشانی رسول مقبول میں چمکتا ہے۔ صدیقہ اہل سنت
کا یہ بیان اس امر کی تصریح کرتا ہے کہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی پیشانی مبارک روشن و منور رہتی تھی۔ یعنی عام لوگوں کے مقابلے میں رسول اللہ
کی علامت و شناختی نشان یہ تھا کہ آپ کی پیشانی کا نور رات کو ابجا لجتا تھا
اور ظاہر ہے کہ اس علامت سے کفار بھی آشنا تھے۔ لہذا جب ساری رات وہ
گھر کا محاصرہ کئے رہے، اور پتھر پھینکتے رہے اور حضرت علیؓ کو رسول خدا سمجھتے
رہے تو یقیناً ویسا ہی نور جاد میں ڈھکا ہوا اُن کو دکھائی دیتا رہا۔ اسی طرح
جب حضرت ابوبکر نے حضرت علیؓ کو رسول سمجھ کر آواز دی اُن کو بھی ویسا ہی نور
نظر آیا۔ یہ نظارہ حدیث نور واحدہ یعنی ”میں اور علیؓ ایک ہی نور سے ہیں“ کا
ثبوت پیش کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ رسولؐ کا نائب وہی ہو سکتا ہے جس کا
نور ایک ہی ہو۔ اگر ویسی روشنی نہ ہوتی تو کفار فوراً سمجھ جاتے کہ رسولؐ اپنے
بستر میں موجود نہیں ہیں لہذا تمام کھیل بگڑ جاتا۔ پس حضرت امیر کا رسول اللہ
کے نور سے ہونا ایسی تفصیلت ہے جو کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہ ہو سکی۔

خیمہ ام معبد | علمائے اہل سنت و ائمہ جہت بیان کرتے ہوئے عموماً
جہت کی اہمیت کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور ان کا زیادہ
نور محض ابوبکر کی رفاقت و تفصیلت پر صرف ہوتا ہے حالانکہ اس واقعہ

میں ایسے ایسے عجوبات رونما ہوئے جن سے قدرت خداوندی کی نفرت اور تصدیق رسالت سرکار شفی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اثبات ملتے ہیں۔ چنانچہ کتب اہل سنت ہی میں مرقوم ہے کہ جب آنحضرتؐ، ابو بکر اور سیدہ سفیرؓ سے نکلے تو پہلے دن اس قافلہ کا گذر خیمہ ام معبد پر ہوا۔ یہ عورت مافرو کی تو اسنے دارا کے لئے مشہور تھی۔ مافرواں بٹھ کر استراحت کیا کرتے تھے اور وہ عورت مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتی تھی۔ چنانچہ جب یہ مبارک قافلہ اس مقام پر آیا تو یو چھا کہ کوئی چیز کھانے کی دستیاب ہے؟ تو اس عورت نے جواب دیا کہ نہیں اگر مجھ ہوتا تو طلب سے قبل حاضر کر دیا جاتا۔ جعفرؓ نے ایک گوشہ میں ایک بکری بندھی ہوئی دیکھی۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ یہ بکری کیوں بندھی ہے۔ ام معبد نے جواب دیا کہ مکرور ولا غر ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ جعفرؓ نے فرمایا اجازت ہے کہ ہم اسے دوہ لیں۔ ام معبد نے کہا اگر دودھ معلوم ہو تو بڑے شوق سے دوہ لیجئے۔ جعفرؓ نے بسم اللہ پڑھ کر بکری کے تھنوں کو دست مبارک لگایا۔ برتن مانگا جو چھلکنے لگا۔ جعفرؓ اور آپ کے ساتھیوں نے دودھ نوش فرمایا۔ دوسری مرتبہ پھر اس بکری کو دودھا گیا۔ یہ بھی سب نے پیا۔ تیسری دفعہ پھر برتن بھرا گیا۔ اور وہ ام معبد کے لئے چھوڑ دیا۔ پس آپ آگے روانہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد ام معبد کا شوہر آیا۔ خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھ کر حیران ہو گیا۔ بیوی سے پوچھا یہ دودھ کہاں سے کر لیا ہے؟ ام معبد نے کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک متبرک شخص کے تھنوں کی برکت کا نتیجہ ہے۔ پس وہ بولا کہ یقیناً وہ صاحب قریش ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ اچھا تم ذرا اس کا حلیہ تو بیان کرو۔ ام معبد نے حلیہ بیان کیا تو سن کر شوہر بولا کہ وہ تو مکرور صاحب قریش ہے۔ میں جا کر اس سے ملاقات کروں گا۔

اسناد کے اعتبار سے ام معبد والی یہ روایت بہت مشہور و مقولہ ہے۔ کتب سیر و تاریخ سے لے کر حدیث و تفسیر کی کتب میں بھی درج ہے۔ بار جو دیکھ

اس واقعہ سے مآثر و حائیت معلوم ہوتے ہیں پھر بھی اہل سنت علماء اس واقعہ کو چھپاتے ہیں اور بیان کرتے ہوئے کتر لے ہیں۔ اور اگر مجبوراً بیان بھی کریں تو قطع و برید کے ساتھ۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ جواب اس بقیہ روایت ہی سے لیجیے۔ چنانچہ غلام حسین دیار بکری اپنی تاریخ اٹھیس میں یہ واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ،

”علامہ زعفرانی (صاحب تفسیر کشاف) اپنی کتاب ربیع الاربار میں مہند بنت جحون سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری خالہ ام مہند کے خیمے پر اترے تو آنحضرتؐ کو کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد بیدار ہوئے اور پانی طلب کر کے ہاتھ دھوئے اور کھلی کی اور خیمہ کے گوشہ کی طرف بھول کا ایک چھوٹا سا درخت تھا جس پر نے اپنی کھلی کا پانی اس پر پھینک دیا۔ دوسرے روز وہ ایک عظیم الشان درخت ہو گیا۔ اور بہت بڑے بڑے پھل اس میں لگے جو ورس کے رنگ کے تھے۔ ورس عرب میں خوشبودار گھاس ہوتی ہے اور کپڑا رنگنے کے کام آتی ہے۔ اس میں عنبر کی خوشبو آتی ہے۔ اس کا مزہ مثل شہد کے ہوتا تھا جسے اگر بھوکا کھلے تو سیر ہو جاتا تھا۔ پیاسا سیراب ہو جاتا تھا۔ اور بیمار شفا پا جاتا۔ اور اگر اونٹ یا بکری اس کے پتے کھا لیتے تو ان کے دودھ کثرت سے ہوتا۔ ہم لوگ اس کو مبارک کہتے تھے۔ اطراف و جوارب سے لوگ آتے اور اس سے شفا پاتے۔ تبرکاً ساتھ بھی لے جاتے۔ ایک دن صبح مبارک کو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے پھول گرنے لگے اور اس کے پتے چھوٹے ہونے لگے۔ اس حالت سے ہم لوگوں کو بڑا خوف معلوم ہوا کہ اتنے میں خبر حلت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی۔ اس کے تیس برس بعد کیا دیکھتے ہیں کہ جڑ سے روال تک اس میں کانٹے لگ گئے ہیں اور تمام پھل جھڑ گئے ہیں اور اس کی تانگی جاتی رہی۔ اتنے میں شہادت امیر المومنین علیؑ کی خبر موصول ہوئی۔ پھر اس کے بعد اس درخت نے پھل نہیں دیا۔ بلکہ صرف اس کے پتوں سے ہم لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔ پھوٹے دنوں بعد کیا دیکھا کہ اس درخت

سید آباد یونٹ نمبر ۸۹۱

کے سامنے سے تازہ خون جوش مار رہا تھا اور گل پتے اس کے خشک ہو گئے تھے۔
 اس اثنا میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ملی۔ اس کے بعد وہ درخت بالکل
 خشک ہو گیا اور تلعب ہے کہ اس درخت کا قصہ کیوں مشہور نہ ہوا۔ حالانکہ بکری
 والے قصہ سے یہ بہتر قصہ تھا۔ (تاریخ انھیں جلد اول ص ۲۷۱)
 ناظرین اب جو بھی سمجھ سکتے تھے کہ اس طویل روایت کو پورا کیوں نہیں
 سنایا جاتا اور اس کی تلخیص و قطع برید کس لئے ضروری خیال کی جاتی ہے۔ محض
 اس لئے کہ اس سے فضیلت اہل بیتؑ ظاہر ہوتی ہے۔ ہمیں اس چشم پوشی اور
 مروجہ اقلی پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری صاحب نے تو
 شبِ بختِ حضرت علیؑ کے بسترِ رسولؐ پر سونے تک کا واقعہ بھی درج کرنا گوارہ
 نہ کیا۔

المختصر اگر حضرت ابوبکرؓ کو محض شبِ بخت میں رشتی سفر ہونے پر
 فضیلت پانے کا حقدار سمجھا جائے تو پھر اس رہبر (جو مسلمان بھی نہ تھا) کو اس
 استحقاق سے کیوں محروم سمجھا جائے۔ پس بحیثیت رہبر اس کو حضرت ابوبکرؓ پر
 بھی فضیلت حاصل ہوگی۔ یہ حال ہم نے کتب اہل سنت میں مندرج روایات کی
 روشنی میں یہ بات واضح کر دی کہ نہ ہی حضرت ابوبکرؓ سے جناب رسولؐ خدا نے
 بسلسلہ حجت کوئی مشورہ کیا اور نہ ہی انہیں ساتھ لیا۔ بلکہ امرِ ربی کے تحت آپ
 انتہائی رازداری کے ساتھ اللہ کی رفاقت کے بھروسے پر تنہا روانہ ہوئے۔ اور
 حضرت ابوبکرؓ بعد میں تعاقب کرتے ہوئے اُن سے ملے۔ نہ ہی کوئی اونٹنیوں والا
 قصہ رونما ہوا اور نہ ہی کسی سانپ نے ڈنگ مارا۔ نہ ہی حضورؐ کو انہوں نے
 کا زہروں پراٹھایا بلکہ غار میں خوفزدگی کے عالم میں گریہ کناں ہوئے اور رسولؐ
 مقبول نے اُن کو تسلیاں دیں۔ ایسے حالات میں یہ سفر کی رفاقت اُن کے لئے
 نہ ہی کسی فضیلت کا سبب ہو سکتی ہے اور نہ ہی منقبت کا۔ بلکہ اگر غور کیا
 جائے تو یہ واقعہ تحقیق ثابت کرتا ہے۔

مستند

کسی شخص کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے سب سے عمدہ معیار "علم" ہے۔ اسی شرط پر خود خداوند علیم نے خلقتِ آدمؑ کے وقت فرشتوں اور آدمؑ میں علم کو معیارِ فضیلت قرار دیا اور حضرت آدمؑ کو علمی لحاظ سے فوقیت پانے کی صورت میں خلافتِ الہیہ کے لئے خود اللہ نے نامزد کیا۔ کائنات کی کوئی وجہ ایسی نہیں مل سکتی جو علم سے افضل قرار پائے۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہو گا علم کے ماتحت ہو گا۔ قوتِ خواہ کسی ہی ہو علم کے تابع ہو گی۔ یہی وجہ ہے خداوندِ عظیم نے انسان کے اس دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہی عالمِ بالا میں اس مسئلہ کو خود عملاً حل کر دیا۔ لہذا جب کسی کی افضلیت کو جانچنا پڑے تو بہترین بلکہ واحد طریقہ یہ ہے کہ اس شخص کے علمی مقام کی پڑتال کی جائے۔ اگر وہ علمی معیارِ فضیلت پر پورا اُترے تو بلاشبہ وہ افضل ہو گا ورنہ نہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

”جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں اپنا خلیفہ زمین پر بنانے والا ہوں تو (فرشتوں) نے کہا کیا تو ایسے شخص کو نائب بنانا ہے جو اس (زمین) میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کسے۔ اور (بنانا ہے تو ہم کو نبی) کہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ اللہ نے جواب دیا کہ جو (مصلحتیں) میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ہو۔ اور آدمؑ کو تمام اسماء (کا علم) سکھا دیئے۔ (آدمؑ کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے) (پھر جو نام سکھائے تھے ان کو سامنے کیا) اور فرشتوں سے پوچھا کہ ان کے نام بتلاؤ۔ تب فرشتوں نے عاجزی سے عرض کیا کہ تو پاک و پاکیزہ ہے ہم تو اس کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے جو تو نے ہمیں بتایا ہے۔ بے شک تو بڑا علیم و حکیم ہے۔ پھر آدمؑ سے کہا اے آدمؑ! تم (ان فرشتوں کو) ان کے نام بتلا دو۔ پھر جب آدمؑ نے (فرشتوں کو ان لوگوں

کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرشتوں کو خطاب کیا) فرمایا کیوں میں تم سے نہ کہتا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے چھپے ہوئے لاز کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم اب ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپائے ہوئے تھے میں وہ سب سمجھ جانتا ہوں۔ (البقرہ ۳۰ سے ۳۳ آیت ۱/۴)

اس قصہ مقرر آن نے یہ فیصلہ نامطرح فرمادیا کہ معیار فضیلت علم ہے۔ اور اسی مجلس سے یہ نتائج بھی اخذ ہوئے کہ اللہ نے آدم کو خلیفہ خود بنایا۔ تاج خلافت و کرامت سر پر رکھا۔ علم لدنی سکھا کر فرشتوں پر فوقیت بخشی۔ فرشتوں کی کثرت رائے، مشاورت، اجماع کو قبول نہ کیا۔ شرط عبادت انسبیج و تقدیس نظر انداز کر دی۔ بلکہ محض علمی فضیلت کو معیار و شرط خلافت الہیہ قرار دیا۔ جب معصوم مخلوق، قوی گروہ، عابد و زاہد جماعت کا اجماع و مشاورت نہ قبول کی گئی تو پھر غیر معصوم انسانوں کا اجماع، عبادت و زہد اور شورعی خلافت میں کیونکر دلیل قابل قبول بن سکتے ہیں۔ پس خلیفہ صرف وہ ہی ہوگا جس کو خداوند مقتدر خود بنائے اور اس کو تمام لوگوں پر علمی فوق حاصل ہو۔

فرشتے بھی علم ضرور رکھتے تھے تبھی تو انہوں نے آدم کے زمین پر وارد ہونے سے پہلے ہی یہ اظہار کر دیا کہ یہ فساد پھیلانے کا اور خون ریزیاں کرے گا۔ یعنی معصوم فرشتوں کے فہم و ادراک کے مطابق ”خونریزی“ اور ”فساد انگیزی“ خلافت الہیہ کی ہرگز دلیل نہیں ہے۔ پس جنگ و جدل، فتوحات ارضی، لشکر کشی اور فسادات ایسے صفات نہیں جو خلافت الہیہ کے لئے معیار یا بشرائط مقررہ جائیں۔ بلکہ خلیفۃ اللہ اور وصی رسول اللہ وہی بزرگ ہوگا جو علمی قیادت میں صاحب فضیلت ہوگا۔

پس چونکہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ہر طرح سوائے اُن کے مرنے سید کوئین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم علم لدنی، فاضل مکی، قاضی شریعت محمدیہ اور کوئی نہیں ہے جیسا کہ خود رسول مقبول اور

اصحاب رسولؐ کے فرمودات سے پوری طرح غایت ہے۔ اس لئے حضرت علیؑ
 حضرت ابوبکرؓ سے من کل الوجوه افضل و برتر ہیں۔ اور ہم نے اوپر تحریر کیا
 ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کا علمی سرا یہ آج بھی دنیا میں تمام علمی گوشوں پر
 میر حاصل روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے جبکہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پیچھے کچھ
 نہیں چھوڑا ہے۔ پس جب اُن کا علمی مقام ہی نہیں ہے تو پھر وہ حضرت علیؑ
 علیہ السلام سے افضل کیونکر ہو سکتے ہیں۔ محض حجت کا واقعہ اُن کی شان
 فضیلت کے لئے اس لئے کافی نہیں ہے کہ ایک غیر مکملہ گواہ اس صفت میں
 برابر کا شریک کار ہے بلکہ بڑھا ہوا ہے کہ رہبری پر مامور ہے۔ سورہ توبہ
 میں آیت شب حجت میں جو لفظ صاحب حضرت ابوبکرؓ کے لئے اعزاز سمجھا
 جاتا ہے تو وہ من کھڑت فضیلت ہے کیونکہ صاحب کا لفظ قرآن میں کفار کیلئے
 استعمال ہوا ہے اور حضرت یوسفؑ کے ساتھی قیدیوں کے لئے بھی یہی لفظ استعمال
 ہوا ہے۔ پس یہ لفظ باعث فضیلت نہیں ہو سکتا۔ حضور اکرمؐ کا لا تحزن
 فرمانا بھی غور طلب ہو گا کہ اگر ابوبکرؓ کا حزن اطاعتِ خدا و رسولؐ کے تحت
 تھا تو حضورؐ نے امر مباح سے منع فرما کر معاذ اللہ کیسی سے منع فرمایا جو کہ ناقابل
 قبول بات ہے۔ پس "لا تحزن" کے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت
 ابوبکرؓ کا حزن اچیر خیر پر منحصر نہ تھا ورنہ خیر پر ممانعت وارد نہ ہوتی۔ قرآن
 مجید میں نازل شدہ آیت کے یہ الفاظ اس نزاع و اختلاف کو ختم کر دینے
 کے لئے کافی ہیں کہ شب حجت حضرت ابوبکرؓ کا کردار عبادِ فضیلت یا شرط
 افضلیت قرار نہیں پاسکتا ہے۔ اور اس شب میں حضرت امیر علیہ السلام
 کا ایتار اور مثالی کردار ہر لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ کے کردار سے مستحسن
 قابلِ ستائش لائقِ صدافزون اور باعثِ افضلیت ہے۔ یہ ایک ایسی
 حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ والسلام

عبدالکیم مشتاق